## موجودہ عہدِ زوال میں

# مُسلمانوں کیلئے اِسلامی ہدایات

اختر امام عادل قاسمی

ناشر

شعبہ تحقیق وتالیف

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور، بہار، انڈیا

سلسلہ مطبوعات ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سہ ماہی ''دعوت حق'' کی

## خصوصی پیش کش


جلد ۔ ۴

شمارہ ۱۴/۱۵

ربیع الثانی تا رمضان ۱۴۲۷ھ

جون تا نومبر ۲۰۰۶ء


خصوصی اشاعت

**حالات حاضرہ نمبر**

## موجودہ عہد زوال میں مسلمانوں کے لیے

# اسلامی ہدایات


مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی


شعبۂ نشر و تحقیق


جامعہ ربانی منوروا شریف، ضلع سمستی پور بہار

**RESERCH & PUBLISHER CENTER**

**OF JAMIA RABBANI**

MANORWA SHARIF. P.O. SOHMA

VIA. BITHAN, DIST. SAMASTIPUR-848207 BIHAR. (INDIA)

Mob.: 0091-9431208629 (Res) 9934082422 (Off.) 9431883368 (Press)

E-mail: md.a_adil@yahoo com

نام کتاب : موجودہ عہد زوال میں مسلمانوں کے لیے اسلامی ہدایات

مصنف : مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

سن اشاعت : ۲۰۰۷ء

کمپوزنگ : شعبہ کتابت جامعہ ربانی

قیمت : ۳۰/روپے

ناشر : شعبہ نشر و تحقیق جامعہ ربانی منورواشریف سستی پور بہار


## ملنے کے پتے


- مکتبہ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، وایا بتھان، ضلع سستی پور۔ ۸۴۸۲۰۷ (بہار)
- دفتر رابطہ جامعہ ربانی منورواشریف، سی/ ۱۲ ۲۱۲، ابوالفضل پارٹ ۲، جامعہ نگر نئی دہلی۔ ۲۵
- قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز بی/ ۳۵، ویسٹ حضرت نظام الدین نئی دہلی۔ ۱۳

# انتساب

- ان مردانِ خدا اور شہیدانِ وفا کے نام جنہوں نے جیتے جی سفینۂ ملت کی نگہبانی کی اور مرے تو اپنے خونِ شہادت سے صدق و وفا کی تاریخ رقم کی۔

اور

- ان پیکرانِ صبر و رضا کے نام
جن کے نقوش جریدۂ عالم پر ہمیشہ یادگار رہیں گے
اور امن و چین کی متلاشی دنیا کے لیے مینارۂ نور کا کام دیتے رہیں گے۔

اختر امام عادل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَتُبْلَوُنَّ فِی اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: یقیناً تمہیں مالی اور جانی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنی پڑیں گی (اس موقع پر) صبر اور تقویٰ کا دامن پکڑے رہنا بڑی عزیمت کا کام ہے۔

# ابتدائیہ

آج سے قریب پانچ سال پہلے کی بات ہے برطانیہ سے مجھے ایک خط موصول ہوا، غم واندوہ سے لبریز، دنیا کے موجودہ حالات پر شکوہ سنج، سطر سطر سے حسرت ویاس ٹپکتی ہوئی، خط میں پوچھا گیا تھا کہ دین کے کام پر اللہ کی طرف سے نصرت کے جو وعدے ہیں وہ پورے کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟ ...... خط میں مکتوب نگار نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا ...... آج دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جو صورت حال ہے کون صاحب ایمان ہوگا جس کا دل اس سے افسردہ نہ ہوگا؟ یہ افسردگی فطری چیز ہے۔ مگر اس میں ناامیدی شامل نہیں ہونی چاہیے، ناامیدی ایمان کے منافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **لا تقنطوا من رحمة الله** الآیۃ رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو۔ بقول شاعر

نہ ہو نومید نوامیدی زوال علم وعرفاں ہے

امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

اسی طرح خدائی اعمال کے اسرار وحکم سمجھنا ہر ایک کے لیے نہ ممکن ہے اور نہ مطلوب ہے بلکہ قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خدائی اعمال کی حکمتیں سمجھنے میں بسا اوقات انبیاء ورسل بھی عاجز رہ گئے ہیں، عام انسان کی تو بات ہی کیا؟ مگر انسان عجلت پسند ہے وہ ہر چیز کی وجہ جاننا چاہتا ہے اور اپنے مخصوص معیار اور زاویہ نگاہ سے جاننا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ خدا کے یہاں اس احمقانہ خواہش کا کیا مقام ہو سکتا ہے؟

میں نے مکتوب نگار کو جواب میں صبر وتقویٰ کی تلقین لکھ دی۔ مگر ان کا احساس تھا کہ میرا غم تنہا

نہیں، غم زمانہ ہے، اس لیے آپ کو اس موضوع پر ایک عمومی تحریر مرتب کرنی چاہیے۔ حالانکہ نہ یہ موضوع نیا ہے اور نہ یہ حالات نئے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ہر دور میں علماء اور اصحاب قلم نے امت کو ان حالات سے متنبہ کیا ہے۔ ایسے نازک مواقع کے لیے اسلامی ہدایات پیش کی ہیں اور ڈوبتے دلوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا ہے...... مگر ان کے اصرار پر میں نے قند مکرر کے طور پر قرآن وحدیث اور سلف کی ہدایات مرتب کیں اور ایک خاکہ تیار ہو گیا۔

بعض دوستوں کی خواہش پر وہی مضمون اب خاص اشاعت کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے، تا کہ اس موضوع پر پورا خاکہ ایک نظر میں آجائے۔ خدا کرے کہ یہ رسالہ عام مسلمانوں کے لیے مفید ہو۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور میرے لیے سرمایہ آخرت بنائے آمین۔

ہم معذرت خواہ ہیں کہ بعض حالات کی بنا پر رسالہ بہت تاخیر کے ساتھ میں شائع ہو رہا ہے درمیان میں ایک موضوع پر تیاری چل رہی تھی، مگر اس کی تفصیلات سمیٹنے میں تاخیر ہو رہی تھی اسی لیے سر دست اس کو روک کر ایک دوسرے موضوع پر جس پر بہت دنوں سے تقاضے ہو رہے تھے۔ ایک مختصر اشاعت کا فیصلہ کیا گیا اس تاخیر اور زحمت انتظار کیلئے ہم بہت بہت معذرت خواہ ہیں۔

اختر امام عادل قاسمی

یکم شعبان المعظم ۱۴۲۸ء

☆ ........ ☆ ........ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے وہ سخت مایوس کن اور حوصلہ شکن ہیں فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو بڑھتا چلا آرہا ہے، ایمان کمزور ہے اور فتنوں کی آندھی تیز تر، سارا عالم کفر متحد ہے اور سارا عالم اسلام منتشر، عالمِ کفر کے اتحاد کے لیے ایک جھوٹی بنیاد کافی ہے اور عالم اسلام کے اتحاد کے لیے ایمان جیسی پکی، مضبوط اور پاکیزہ بنیاد بھی ناکافی، ایک مادیت کا رشتہ یا مخالفت حق کا جذبہ مختلف قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتا ہے لیکن روحانیت کا پاک رشتہ اور کلمۂ واحدہ کی مضبوط طاقت مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع نہیں کرسکتی۔

# تباہ حال امت

اس طرح آج امت کو اندر اور باہر دونوں طرف سے خطرات کا سامنا ہے، باہر سے کفر کا دباؤ اور اندر اختلافات اور خانہ جنگی، اندر سے ٹوٹی ہوئی قوم مخالف طاقتوں کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے؟ اور ایمان ویقین سے محروم جماعت اپنی صفوں میں کتنی دیر اتحاد قائم رکھ سکتی ہے؟ کون اس کو یہ راز بتائے؟ کہ

؎ قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں کچھ بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

اور اس قوم کو جو صرف سخت گیر زبان سننے کی عادی ہوچکی ہے، اس تاریخی حقیقت سے کیسے آگاہ کیا جائے کہ:

؎ ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں

## ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

جس قوم کی اکثریت تباہ حال ہو چکی ہو چند درویشوں اور اللہ والوں کی قوت ایمانی اس کو ساحل مراد تک کیسے پہنچا سکتی ہے؟

حدیث پاک میں اس امت کے جس زوال پذیر دور کی تصویر کشی کی گئی ہے، وہ آج سے بہتر طور پر کس دور پر صادق آئے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم پر ایک دور ایسا آئے گا کہ دنیا کی باطل طاقتیں تم کو مٹانے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی، جیسے دسترخوان کے پیالے پر کھانے والوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، تمہاری تعداد اس وقت آج کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی مگر تمہارا کوئی وزن انسانی دنیا میں نہ ہوگا، تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکل چکا ہوگا اور تمہاری حیثیت سمندر کے اس جھاگ کے برابر ہوگی جو سیلاب کے زمانے میں پانی کی سطح پر بہتی رہتی ہے۔ اور ہوا کا ایک جھونکا اور موجوں کی ایک لہر اس کو ادھر سے ادھر کر دیتی ہے صحابہ کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ نے اس کمزوری کا سبب یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اندر دو کمزوریاں پیدا ہو جائیں گی یعنی تم دنیا کو عزیز رکھنے لگو گے اور موت کے نام سے نفرت کرو گے (مشکوۃ شریف صفحہ ۵۹ باب تغیر الناس)

ہمارے تہذیبی زوال اور غلامانہ ذہنیت کی جو پیشگوئی آج سے صدیوں قبل کی گئی تھی اس کا آج سے بہتر مصداق شاید آج سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہوس پرست اور دین و اخلاق سے محروم یہودیوں اور نصرانیوں کی ایسی غلامانہ تقلید کرو گے کہ ایک ہاتھ اور ایک بالشت کا بھی فاصلہ نہ رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ لوگ احمقانہ طور پر گوہ

کے بل میں گھسیں گے تو ان کی دیکھا دیکھی تم بھی ان کے پیچھے پیچھے بل میں گھس پڑو گے"
(متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸)

اور اس کی وجہ کلامِ نبوت کے الفاظ میں یہ ہوگی کہ امت کے صالحین رفتہ رفتہ رخصت ہو جائیں گے (اور جو ہوں گے وہ بے اثر ہوں گے) اور صرف ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جن کو جو یا کھجور کے ردی حصہ کی طرح ناکارہ محض کہا جا سکتا ہے۔ اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی (رواہ البخاری بروایت حضرت مرداس الاسلمی مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

پھر جب کوئی قوم زوال کی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے تو وہ دوسروں کے بجائے باہم برسرپیکار ہو جاتی ہے اور اس کی تلواریں دوسروں کے بجائے اپنے ہی پیشواؤں کی گردنیں کاٹنے لگتی ہیں اور جو لوگ سارے مومنوں کی جائے پناہ ہوتے ہیں وہی کسی جائے پناہ سے محروم ہو جاتے ہیں اور جن کے گھر مسلمانوں کا آخری مسکن ہوتے ہیں انھیں ہی سکون کے ساتھ چند لمحے ٹھہرانے کے لیے کسی مسلمان کا گھر آمادہ نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور دنیا کے بدترین لوگ اسٹیج پر مسلط ہو جاتے ہیں۔

صاحب اسرار صحابی رسول حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ تم اپنے امام کو قتل نہ کرو اور اپنی تلواروں اور جنگی قوتوں کو خود اپنے ہی لوگوں کے خلاف استعمال نہ کرو اور تمہاری دنیا کے مالک تمہارے بدترین لوگ نہ ہو جائیں (ترمذی۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

## معاشی فراوانی کے نتائج

کوئی بھی قوم معاشی تنگی کی بناء پر زوال پذیر نہیں ہوتی بلکہ اس کا زوال اس وقت شروع

ہوتا ہے جب معاشی وسائل کی فراوانی کی بناء پر وہ اخلاقی بحران میں مبتلا ہو جائے اور دینی غیرت وحمیت سے محروم ہو جائے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت مصعب بن عمیر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ وہ ایک بوسیدہ پیوند زدہ چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضور نے ان کی یہ حالت ملاحظہ کی تو رو پڑے (اس لیے کہ یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جو اپنے دور کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن اسلام کے دور ابتلاء میں ان کی آج یہ حالت تھی) اور پھر فرمایا۔ اس دن تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم صبح ایک جوڑا بدلو گے اور شام میں دوسرا جوڑا۔ تمہارے سامنے کھانے کا ایک پیالہ رکھا جا رہا ہوگا اور دوسرا اٹھایا جا رہا ہوگا۔ تمہارے گھر پردوں میں اس طرح مستور ہوں گے جیسا کہ خانہ کعبہ پردوں میں مستور ہے، صحابہ خوشحالی اور فارغ البالی کے ان حسین لمحات کا تصور کر کے مسرور ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ وہ دن تو ہمارے لیے بڑی مسرت وسعادت کے ہوں گے ہم پوری فراغت کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکیں گے اور ہمارے لیے اخراجات کا مسئلہ پریشان کن نہیں ہوگا، حضور نے فرمایا نہیں! ان دنوں کے مقابلے میں تم آج ہی زیادہ بہتر ہو۔ (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

☆..........☆..........☆

اس لئے کہ بہت زیادہ فارغ البالی دینی طور پر انسان میں کسلمندی اور کمزوری پیدا کر دیتی ہے اور مادیت انسان پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ روحانیت اور مذھب کے لئے اس کی زندگی میں گنجائش مشکل سے نکل پاتی ہے۔ کشمکش کی یہی بدترین کیفیت ہے جس کی طرف حضورؐ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:

**یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر**

(ترمذی بسند غریب مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب دین پر جمنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ انگاروں کو ہتھیلی میں پکڑنا۔ یہی وہ ظلمت گزیدہ دور ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے سربراہ اور وہ لوگ دنیا کے انتہائی بدترین لوگ ہوں گے اور دولت مندوں پر بخل کا غلبہ ہوگا اور راہ خدا میں وہ ایک پیسہ خوش دلی سے صرف کرنا پسند نہ کریں گے۔ اخلاقی زوال کی یہ حالت ہوگی کہ عورتیں تمہارے اعصاب اور معاملات پر مسلط ہوں گی، اور اس دور میں تمہارے لئے بہتر ہوگا کہ زمین کی پشت پر رہنے کے بجائے زمین کا بطن تم کو قبول کرلے۔ (ترمذی شریف بسند غریب مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

ایسے ماحول میں قوم کا جو مجموعی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے وہ دینی لحاظ سے اتنا کریہہ اور بھیانک ہوتا ہے کہ اس کا تصور بھی ذوق سلیم کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ پورے قومی اجتماع میں خیانت، عریانیت، فحاشی و بدکاری، ناپ تول میں کمی، ظلم و ناانصافی اور بدعہدی کے خطرناک جراثیم پھیل جاتے ہیں جن کے بدترین نتائج بھی اس قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس بیمار اور یرقان زدہ معاشرے کا اچھا تجزیہ فرمایا ہے:

فرماتے ہیں کہ خیانت و بددیانتی کی مریض قوم بزدل ہو جاتی ہے۔ فحاشی و بدکاری میں مبتلا قوم میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والی جماعت رزق کی

برکت سے محروم کر دی جاتی ہے اور فقر و فاقہ میں مبتلا کر دی جاتی ہے ناحق فیصلہ کرنے کا انجام قتل وخونریزی ہے اور غداری و عہد شکنی کرنے والی قوم پر خطرناک دشمن مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ (رواہ مالک مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

ایک تعمیر پسند قوم کس طرح اپنے اندر تخریبی تبدیلیاں لاتی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں پہلی تبدیلی شراب کے معاملے میں ہوگی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ لوگ شراب کو دوسرے خوبصورت ناموں سے استعمال کریں گے۔ اور اس طرح ایک حرام چیز کے بارے میں حلال کا تصور رکھیں گے (دارمی مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۱)

اس تخریب زدہ دور کے بارے میں علامتی طور پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے فرمائے کہ وقت میں بے برکتی ہو جائے گی، علم حقیقی رخصت ہونے لگے گا۔ فتنوں کا ظہور ہوگا۔ بخل اور شح نفس کا غلبہ ہوگا اور قتل عام کی واردات بکثرت ہوں گی۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲)

تحفظ جان کی صورت حال اتنی ابتر ہوگی کہ کلام نبوت کے الفاظ میں "قاتل بلا ثبوت قاتلانہ حملے کریگا اور اسے معلوم نہ ہوگا کہ وہ کیوں یہ حملے کر رہا ہے اور نہ مقتول کو خبر ہوگی کہ اس کے خلاف یہ کارروائی کیوں کر ہو رہی ہے؟ یہ خونریز فتنوں کا دور ہوگا۔ (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲)

ایسے خونریز فتنوں کا دور جو سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دے گا اور ظلم و بربریت کی ایسی ایسی شکلیں جمع کی جائیں گی کہ مظالم کی پرانی ساری داستانیں حافظہ سے محو ہو جائیں گی۔

حضرت زبیر بن عدی نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حجاج بن یوسف کے مظالم کا شکوہ کیا، تو انہوں نے فرمایا صبر کرو آنے والا دور اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا مجھے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بتائی ہے (بخاری۔ مشکوٰۃ ۴۶۳)

فتنوں کی اس شدت اور کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک موقع پر نبی کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کہ کیا تم بھی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اسی طرح گر رہے ہیں جیسے بارش کے قطرے انسانی آبادی پر گرتے ہیں۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲)

اسی دور کے بارے میں کہا گیا کہ دنیا کی چند کوڑیوں کے بدلے انسان اپنا دین وایمان بیچ ڈالے گا

(رواہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲)

اسی دور کے متعلق حق وعافیت کے طلب گاروں کو ہدایت کی گئی کہ ان فتنوں سے بچنے کی واحد صورت یہ ہوگی کہ انسان اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ یکسو کرلے اور نیک اعمال میں مشغول ہوجائے۔

حضرت ابوبکرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب فتنے یکے بعد دیگرے مسلسل ظہور پذیر ہورہے ہوں تو سب سے بہتر شخص وہ ہے جو سب سے یکسو ہو، بیٹھا ہوا شخص پیدل چلنے والے سے بہتر ہے، پیدل چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے سنو! جب اس قسم کا کوئی فتنہ پیش آجائے تو فوراً کوئی ظاہری آڑ پکڑ کر اپنے کو یکسو اور محفوظ کرو اور فتنوں کا ہدف بننے سے بچو۔ اونٹ بکری کوئی اونچی یا نیچی زمین، تلوار یا جو چیز بھی بر وقت میسر آجائے اس کی پناہ لے کر اپنے کو یکسو کرنے کی کوشش کرو اور حتی الامکان اس فتنے سے نجات پانے کی سعی کرو (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۲)

# فتنوں کے دور میں مسلمانوں کے لیے جامع لائحہ عمل

کتب حدیث میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں جن کو سامنے رکھ کر فتنوں کے دور میں مسلمانوں کی دینی واخلاقی پسماندگی اور فتنوں کے اسباب کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اور ایسے مواقع کیلئے کوئی جامع لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے، صرف درج بالا روایات ہی پر نظر ڈالیں جو کسی بھی کتاب حدیث کے کتاب الرقاق میں بآسانی مل جائیں گی۔ تو مسلمانوں کے ممکنہ یا موجودہ زوال کے اسباب کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور ایسی نازک صورت حال میں بنیادی لوازم کا مختصر خاکہ سامنے آجاتا ہے مثلاً

## اسباب زوال

جہاں تک زوال کی بات ہے تو احادیث کی روشنی میں درج ذیل اسباب ہیں جن کی بنا پر امت مسلمہ کسی بھی دور میں زوال سے دوچار ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔

۱۔ دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت۔

۲۔ موت سے کراہیت

۳۔ مغربی اقوام کی مرعوبیت اور ان کے تہذیبی طلسمات کی نقالی۔

۴۔ صالح اور مخلص افراد کی کمی اور جو ہوں ان کی ناقدری۔

۵۔ مقتدایان امت کے خلاف جنگ، سازشی منصوبے یا ان سے بدگمانی ونفرت۔

۶۔ غیر مخلص اور شاطر افراد پر اعتماد اور سچے مخلصین سے بے اعتمادی۔

۷۔ اقتصادی تنگی قومی زوال کا سبب کبھی نہیں بنتی بلکہ معاشی فراوانی اور اسباب ووسائل کی بہتات کسی قوم یا فرد کے اخلاقی زوال اور نتیجۃً قومی وملی زوال کا باعث بنتی ہے۔

۸۔ مادہ پرستانہ رجحان کا غلبہ۔

۹۔ اہم معاملات پر شر پسندوں کا تسلط۔

۱۰۔ دولت مندوں پر بخل کا غلبہ اور راہ خدا میں خرچ کرنے کے بارے میں ان کی بے توفیقی۔

۱۱۔ مردوں کے اعصاب اور معاملات پر عورتوں کا تسلط۔

۱۲۔ اور اس کے زیر اثر فحاشی و بدکاری کی کثرت۔

۱۳۔ خیانت و بددیانتی کا عمومی رجحان۔

۱۴۔ ناپ تول میں کمی۔

۱۵۔ ناحق فیصلوں پر زور اور عدالتی عدم توازن۔

۱۶۔ غداری و عہد شکنی۔

۱۷۔ کتمان حقیقت، ملمع سازی اور برائیوں کا دوسرے ناموں سے ارتکاب اور ابلیسی حربوں کو خوبصورت عنوانات دینا۔

۱۸۔ علم حقیقی کی کمی۔

۱۹۔ شح نفس کا غلبہ۔

## ''دور زوال کے عمومی نقصانات''

کسی قوم کی ان کمزوریوں کے نتیجے میں اس کو جن آفات اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ احادیث بالا کی روشنی میں یہ ہیں۔

۱۔ حیثیت عرفی کا زوال۔

۲۔ ایسی بے وقعتی اور بے عزتی کہ سیلاب کے زمانے میں پانی کی سطح پر تیرنے والے جھاگ، اور ردی کے ٹوکرے میں پڑے ہوئے ردی کے سامان بھی ان سے زیادہ باقیمت ہوں۔

۳۔ تہذیبی زوال اور غلامانہ ذہنیت۔

۴۔ اچھے لوگوں سے محرومی اور خراب اور ناکارہ لوگوں کی زیادتی۔

۵۔ خانہ جنگی طوائف الملوکی اور باہم رسہ کشی۔

۶۔ مادہ پرستانہ ذہنیت کے نتیجے میں اخلاقی زوال۔

۷۔ مرکزی قوت کا فقدان اور اجتماعی انتشار اور بے بسی۔

۸۔ ذوق عبادت سے محرومی۔

۹۔ معاشرے پر بدترین لوگوں کا تسلط۔

۱۰۔ قلب موضوع، مردوں کا عورتوں کی غلامی میں چلا جانا وغیرہ۔

۱۱۔ جرأت کی کمی اور بزدلی۔

۱۲۔ اموات کی کثرت اور قتل وخونریزی۔

۱۳۔ برکت رزق سے محرومی اور فقر وافلاس کا غلبہ۔

۱۴۔ سیاسی اور فوجی طور پر خطرناک دشمنوں کا تسلط۔

۱۵۔ دشمنوں کی طرف سے بے ثبوت اور بے تحقیق فوجی حملے اور منصوبہ بند سیاسی دباؤ۔

۱۶۔ ایسی خونریز قاتلانہ کارروائی جس سے ظلم وبربریت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ جائیں۔

۱۷۔ حرام وحلال کی تمیز کا فقدان اور مسخ شدہ ذہنیت۔

۱۸۔ فتنوں کا مسلسل ظہور جیسے رہ رہ کر بارش ہو رہی ہو۔

۱۹۔ دنیا کی حریصانہ طلب اور دین کی ناقدری اور بے توقیری دنیا کی چند کوڑیوں کے بدلے دین اور ایمان کی فروخت۔ وغیرہ۔

## محفوظ ترین راہِ عمل

ان حالات میں ایک سچے مومن اور حق وہدایت کے طلبگار کے لیے محفوظ راستہ یہ ہے کہ:

۱۔ مادہ پرستانہ رجحانات سے نجات حاصل کر کے روحانی رجحانات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ اپنے تہذیبی اقدار و روایات کا صحیح عرفان حاصل کیا جائے اور ان کے تعلق سے کمتری کے تمام تر احساسات کو کھرچ کر پھینک دیا جائے۔

۳۔ عقل و دانش کا استعمال اور تنقیدی شعور کی بازیافت کی جائے۔

۴۔ مخلصانہ طور پر مضبوط اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۵۔ دینی غیرت کا احیاء اور ایمانی احساسات کی نشو و نما ہو۔

۶۔ اللہ والوں کی محبت و ہم نشینی اختیار کی جائے۔

۷۔ دنیا سے زیادہ دین کے لیے ریاضت و مجاہدہ پر زور دیا جائے۔

۸۔ دنیا کے مادی وسائل کے بارے میں احساس امانت پیدا کیا جائے ان کا صحیح استعمال ہو اور ان کے جذبہ حصول پر قابو پایا جائے۔

۹۔ عورتوں اور مردوں کے جو حدود شریعت نے مقرر کیے ہیں ان کی رعایت کی جائے۔

۱۰۔ تحریف و تلبیس سے مکمل گریز کیا جائے۔

۱۱۔ اپنے آپ کو مکمل یکسو کر کے اعمال خیر کی طرف توجہ کی جائے فتنوں سے اپنے کو دور رکھنے کی کوشش کی جائے اور لایعنی امور کی طرف التفات سے حتی الامکان بچا جائے۔

۱۲۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ صبر کا دامن کسی وقت ہاتھ سے نہ چھوٹے اور پیش آنے والی ہر صورت حال کو اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کیا جائے۔

☆............☆............☆

# دورِ فتن میں صبر کی ڈھال

صبر انسان کی وہ عظیم ترین روحانی قوت ہے جس سے تمام تر مشکلات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ صبر ہر مشکل کی کلید ہے، صبر ایک ایسا معنوی ہتھیار ہے جو بڑے سے بڑے مادی ہتھیاروں کو زیر کر سکتا ہے، اس لیے قرآن کریم میں شکستہ حال قوم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

☆ یاایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۔ (سورۂ بقرہ: ۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد چاہو' صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ صبر نصف ایمان ہے۔

(مسند فردوس ابو منصور الدیلمی بحوالہ المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۴ ص ۶۰)

قرآن میں ستر سے زیادہ مقامات پر صبر اور صابرین کا ذکر کیا گیا ہے اور اکثر درجات و مقامات عالیہ کو صبر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان کو صبر کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

☆ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا (السجدۃ: ۲۴)

یعنی ہم نے ان کے صبر کے نتیجے میں ایسے ائمہ ہدایت پیدا کیے جو ہمارے حکم کے مطابق کار ہدایت انجام دیتے تھے۔

☆ وتمت کلمۃ ربک الحسنیٰ علیٰ بنی اسرائیل بما صبروا

(الاعراف: ۱۳۷)

ترجمہ:اور بنی اسرائیل پر ان کے صبر کے نتیجے میں آپ کے رب کا وعدہ پورا ہوا۔

☆ ولنجزین الذین صبروا اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (النحل:۹۶)

ترجمہ:اور بالیقین ہم صبر کرنے والوں کو ان کی محنتوں سے زیادہ بہتر بدلہ عنایت کریں گے۔

☆ اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا (القصص:۵۴)

ترجمہ:ان لوگوں کو ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔(الزمر:۱۰)

ترجمہ: صابرین کو بے حد وحساب اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔

یعنی ہر عمل کے اجر وثواب کی ایک حد وحساب مقرر ہے لیکن صبر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔روزہ کے بارے میں جو روایات میں آتا ہے کہ ہر عمل کا اجر ملائکہ کے ذریعہ دلایا جائے گا لیکن روزہ کا اجر پروردگار پاک خود اپنے ہاتھ سے دے گا اس تخصیص وامتیاز کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ روزہ،صبر ہی کی ایک قسم ہے۔

☆ واصبروا ان اللہ مع الصابرین ۔(الانفال:۴۶)

ترجمہ: صبر کرو بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

☆ بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتو کم من فورھم ھذا یمدد کم ربکم بخمسة الآف من الملائکة مسومین (آل عمران:۱۲۵)

ترجمہ:" البتہ اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو اور وہ تم پر اسی دم آجائیں تو تمہارا رب شان دار گھوڑوں پر پانچ ہزار فرشتے تمھاری مدد کے لیے بھیجیں گے۔"

صابرین کو بیک وقت وہ مقامات حاصل ہوتے ہیں جو دوسروں کو نہیں ہوتے۔

☆ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمة واولئک ھم المھتدون (بقرۃ:۱۵۷)

ترجمہ: ان پر اللہ کی طرف سے صلوات اور رحمت کی خاص عنایات ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہوتے ہیں۔

احادیث وآثار میں بھی صبر کو خاص مقام دیا گیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "ایمان" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایمان نام ہے صبر اور درگزر کا (طبرانی کبیر المغنی عن حمل الاسفار ج ۴ ص ۶۱)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے ایک خط میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کو تحریر فرمایا کہ: صبر کو لازم پکڑو اور معلوم ہونا چاہئے کہ صبر کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ مصائب پر صبر اور محرمات پر صبر آخر الذکر اول الذکر سے افضل ہے اور سنو کہ صبر مدار ایمان ہے اسی طرح تقویٰ سب سے افضل نیکی ہے اور تقویٰ کی روح صبر ہے (حوالہ بالا)

حضرت علی کا قول ہے۔ "ایمان کی بنیاد چار ستون پر ہے۔ یقین، صبر، جہاد اور عدل۔ نیز فرمایا کہ: صبر کے بغیر ایمان نہیں۔ (حوالہ بالا)

## فلسفۂ صبر

صبر سلوک و معرفت کی ایک اہم ترین منزل ہے، صبر مقام انسانیت ہے، صبر ایک نقطۂ امتیاز ہے جو انسانوں کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، صبر کا مقام صرف انسانوں کو دیا گیا ہے، بہائم اور ملائکہ اس مقام سے محروم ہیں، اس لیے کہ صبر نام ہے دینی محرکات کو نفسانی محرکات پر ترجیح دینے کا اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مخلوق میں دونوں قسم کے محرکات وعوامل موجود ہوں۔ حیوانات میں نفسانی محرکات اور شہوانی محرکات تو ہیں مگر دینی محرکات نہیں ہیں اور ملائکہ کو دینی محرک وعامل تو حاصل ہے مگر نفسانی محرکات سے وہ پاک ہیں اور جب ایک ہی محرک ہو تو نہ کسی کشمکش کی نوبت آسکتی ہے اور نہ کسی ترجیح کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

اسی لئے ملائکہ اور حیوانات اپنے اپنے محرکات کے تحت کام کرنے پر مجبور و مسخر ہیں۔ وہ آزمائش کی منزل سے دور ہیں اور اسی لئے ان کے لئے وہ مقامات عالیہ بھی نہیں ہیں جو آزمائش سے گذرنے والوں کا مقدر ہیں۔

البتہ انسان خدا کی ایسی مخلوق ہیں جس میں نفسانی محرکات بھی موجود ہیں اور دینی محرکات بھی۔ انسان کا بچپن جانور کی طرح صرف شہوانی محرکات کا پابند ہوتا ہے، کھانے پینے کی خواہش، کھیلنے کودنے کی طلب۔ بجنے سنورنے کی آرزو پھر کچھ اور بڑے ہوئے بلوغ کو پہونچے تو صنف مخالف کی طرف میلان۔ وغیرہ۔ بچپن کی منزلوں میں انسان کے اندر صرف ایک ہی قسم کا محرک ہوتا ہے اسی لئے اس میں قوت صبر نہیں ہوتی اور اسی بناء پر بلوغ سے قبل انسان تکلیف کے دائرے سے خارج ہوتا ہے لیکن جب انسان بچپن کی ناقص منزلوں سے گذرتے ہوئے بلوغ کی حد پار کر لیتا ہے تو اس میں فطرت کے مطابق ایک ملکوتی اور دینی محرک بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور دونوں محرکات کے تقاضوں میں کشمکش شروع ہوتی ہے یہی وہ عمر ہوتی ہے جب انسان شرعی طور پر مکلف قرار دیا جاتا ہے اور انسان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کو دینی محرکات کا پابند کرے اور نفسانی اور بالفاظ دیگر حیوانی محرکات کو مغلوب کرے، اور اسی کا نام صبر ہے تو گویا صبر انسان کی اصل منزل ہے یہ دین کی پہلی منزل بھی ہے اور آخری بھی، صبر انسان کی شناخت ہے اور صبر ہی کی قوت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور صبر ہی کی بدولت انسان ان مقامات عالیہ کو پا سکتا ہے جہاں تک مقرب ترین فرشتوں کی بھی گذر نہیں۔

## صبر ایمانی ترقیات کا ذریعہ

اگر صبر کی حقیقت اور فلسفہ سے انسان واقف ہو تو وہ بخوبی اس حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ بلند مقامات تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ صبر کا ماحول بنا رہے۔ دینی و دنیاوی محرکات کی کشمکش جاری رہے کفر و اسلام کی قوتوں کا تصادم ہر وقت برپا رہے کیونکہ

سازگار ماحول میں کام کرنا کمال نہیں یہ منزل تو ملائکہ اور بہائم کی ہے۔ کمال یہ ہے کہ انسان ناسازگار ماحول میں کام کرے ناسازگار ماحول میں صبر کی قوت درکار ہوتی ہے اور مومن روحانی طور پر بڑی تیزی کے ساتھ سفر کرتا ہے۔

صبر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو مقامات سازگار حالات میں شدید ترین ریاضتوں اور طویل المدت عبادتوں کے بعد طے ہوسکتے ہیں وہ صبر کے حالات میں بڑی آسانی سے طے ہوجاتے ہیں اسی لئے اللہ مسلمانوں کے لئے دنیا میں صبر کے ماحول کو پسند کرتا ہے تاکہ جو مقامات پچھلی امتیں طویل المدت عبادتوں اور مشکل ترین ریاضتوں کے بعد بھی طے نہ کرسکیں وہ امت محمدیہ کے افراد صبر کی لمحاتی مدتوں میں طے کرلیں۔

اس لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں۔ **الدنیا سجن المومن و جنة الکافر** (رواہ مسلم۔ مشکوۃ کتاب الرقاق ج ۲ ص ۴۳۹)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے باغ و بہار ہے۔

یہ قید خانے کا ماحول بلاوجہ نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس کو بلند مقامات تک پہونچانے کے لئے اور روحانی مدارج طے کرنے کے لئے بنایا گیا ہے ماحول جتنا ناسازگار ہوگا ایمانی تحرکات پر عمل درآمد ہونے کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا اس سے اس حدیث کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

**یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر**

(رواہ الترمذی سند غریب مشکوۃ صفحہ ۴۵۹)

یعنی انسانی دنیا میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ دینی زندگی اختیار کئے رکھنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ ہتھیلی پر دہکتے انگاروں کو رکھنا۔

اس میں حالات کی ناسازگاری اور صبر کے ماحول کا بیان ہے اسی لئے اس دور کی ہلکی عبادتوں کو بھی وہ مقام حاصل ہوگا جو دور عافیت کی مشکل عبادتوں سے حاصل ہوتا ہے، اور

تھوڑی ریاضت سے انسان وہ مقامات طے کر سکے گا جو پہلے بڑی ریاضتوں کے بعد طے ہوا کرتے تھے۔

قیامت جوں جوں قریب ہوتی جائے گی، صبر کا ماحول اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا جائے گا اور مسلمانوں کے لئے دینی ترقیات کے مواقع بڑھتے جائیں گے اور تھوڑی تھوڑی عبادتیں بھی بڑی بڑی عبادتوں پر بھاری ہوتی جائیں گی غالباً یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف ایک حدیث پاک میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

**امتی ھذہ امة مرحومة لیس علیھا عذاب فی الآخرة عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل او القتل** (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۶۰)

یعنی میری امت کو عذاب آخرت کے مراحل سے گذرنا نہیں پڑے گا، اس کے عذاب کی تمام تر منزلیں دنیا میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورتوں میں طے ہو جائیں گی۔

علماء اور شارحین اس حدیث کی تشریح میں کافی حیران ہوئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ مقام صبر کا بیان ہے اور صابرین اگر ان حالات میں اپنے کو دینی طور پر ثابت قدم رکھتے ہیں تو ان کے تمام گناہوں کا کفارہ اسی دنیا میں ہو جاتا ہے اور آخرت کی مشکلات سے ان کو گذرنا نہیں پڑتا مگر ظاہر ہے کہ یہ مقام ہر ایک کو میسر نہیں آسکتا یہ امت مرحومہ کے صرف انہیں افراد کو میسر آسکتا ہے جو صبر کے حالات میں پرورش پائیں گے اور ناسازگار حالات میں بھی دینی محرکات کی تکمیل کریں گے۔

## صابرین کے درجات

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اہل صبر کے تین درجات ہیں۔ (۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر خواہشات سے دستبردار ہو جائے یہ تائبین کا مقام ہے۔ (۲) دوسرا درجہ یہ

ہے کہ تقدیر پر انسان راضی رہے یہ زاہدین کا مقام ہے (۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ آقا کے تمام تر فیصلوں کو نہ صرف قبول کرے بلکہ اس سے محبت کرے اور اس کے خلاف کو ہرگز قبول نہ کرے یہ صدیقین کا مقام ہے۔

پہلا درجہ مقام صبر ہے، دوسرا درجہ مقام رضا اور تیسرا مقام محبت ہے مقام محبت سب سے اونچا مقام ہے۔

(احیاء العلوم للغزالی ج۴ص۶۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

## فتنہ مصیبت اور فتنہ راحت کی حقیقت

اس طرح بعض عارفین کا قول ہے کہ مصائب اور ترک خواہشات پر صبر آسان ہے اور ایک مومن چاہے تو اس کو اختیار کر سکتا ہے مگر عافیت و راحت پر صبر بہت مشکل ہے۔ یہ صرف صدیق کا مقام ہے (حوالہ بالا)

اس لئے حضرت سہل تستریؒ فرماتے تھے کہ عافیت پر صبر مصیبت پر صبر سے مشکل ہے۔ صحابہ کرام پر جب فتوحات کے دروازے کھلے تو فرماتے تھے کہ ہم فتنہ ضراء (یعنی فقر و فاقہ اور خوف و شدت کی آزمائشوں) میں مبتلا ہوئے تو ہم امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن جب فتنۂ سراء (یعنی راحت و عافیت کی آزمائش) میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے۔ (حوالہ بالا)

قرآن کریم میں ان دونوں آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے:

فاما الانسان اذا ما ابتلٰہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلٰہ ربہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن (الفجر: ۱۵-۱۶)

یعنی انسان کو جب اس کا پروردگار انعام و اکرام کے ذریعہ آزماتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا۔ اور جب اس کو تنگی روزگار میں مبتلا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے میری توہین کی" یعنی اکرام اس کا حق تھا۔ اور توہین اس کی حق تلفی اور

ناقدری ہے۔

انسان بڑا تنگ نظر ہے وہ بہت جلد اپنی حیثیت بھول جاتا ہے، اور انسان کی یہ تنگ نظری اور حیثیت کا یہ نسیان جس قدر راحت و عافیت کے ایام میں پیش آتا ہے۔ مصیبت و الم کے لمحات میں نہیں۔ مصیبت کے لمحات میں غافل سے غافل انسان بھی کسی نہ کسی درجے میں حساس ہو جاتا ہے۔ مصیبت و خوف کے لمحات میں انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور انسان کس طرح بے اختیار اللہ کی طرف جھک جاتا ہے قرآن میں کئی مقامات پر انسان کی ان کمزور کیفیات کی تصویر کشی کی گئی ہے مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہے: **واذا غشیتھم موج کالظلل دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین فلما نجّٰھم الی البر فمنھم مقتصد ومایجحد بآیتنا الا کل ختار کفور** (سورۂ لقمان:۳۲)

ترجمہ: "اور جب ان کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو اللہ کو پورے اخلاص دین سے پکارتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر اللہ خشکی میں پہونچا دیتے ہیں تو کچھ لوگ اعتدال پر رہتے ہیں۔ اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں"۔

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے:

**اذا رکبوا فی الفلک دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین فلما نجّٰھم الی البرّ اذاھم یشرکون** (عنکبوت: ۶۵)

ترجمہ: "جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اخلاص دین کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب اللہ ان کو نجات دے کر خشکی میں پہونچا دیتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

**ھو الذی یسیر کم فی البر والبحر اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم بریح طیبۃ وفرحوابھا جاء تھا ریح عاصف وجاء ھم الموج من کل مکان وظنوا**

انهم احیط بهم دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین (یونس ۲۲)

ترجمہ: "وہی خدا کی ذات ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے پھرتی ہے یہاں تک کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب تم کشتی کے سفر پر ہوتے ہو اور خوشگوار ہوا چل رہی ہوتی ہے اور وہ خوش خوش چل رہے ہوتے ہیں کہ اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آتا ہے اور موجیں ہر طرف امنڈ پڑتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ موجوں کے گھیرے میں آ چکے ہیں تو اللہ کو مکمل اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں کہ اے پروردگار اگر آپ ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دیں تو ہم آپ کے شکر گذار بندے بن جائیں گے"۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غم والم کے لمحات دینی طور پر انسان کے لئے اتنے نقصان دہ نہیں ہیں ایک صاحب ایمان ذرا ہمت کرے تو ان لمحات کو با آسانی عبور کر سکتا ہے اور ان آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ لیکن راحت و بے فکری کے لمحات انسان کے لئے سخت آزمائشی ہوتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان لمحات کو دینی اور ایمانی طور پر صحیح صحیح گذارنا، اور اس فتنۂ سرّا، (راحت) کو کامیابی کے ساتھ عبور کرنا آسان نہیں ہے۔ قرآن نے اس لئے جتنا زور اس فتنۂ راحت سے چوکنا رہنے پر دیا ہے فتنۂ مصیبت پر نہیں۔ ایک مقام پر اہل ایمان کو مخاطب کر کے فتنۂ نعمت کے بعض اسباب و محرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا:

یٰایھا الذین آمنو الاتلھکم اموالکم و لا اولادکم عن ذکر اللّٰہ (منافقون ۹)

"اے ایمان والو! تم کو تمہارے اموال اور اولاد ذکر الٰہی سے غافل نہ کردیں"

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

ان من ازواجکم و اولادکم عدوالکم فاحذروھم (تغابن ۱۴)

ترجمہ: تمہارے ازواج اور اولاد (دینی طور پر) تمہارے لئے دشمن (آزمائش) ہیں اس لئے ان سے محتاط رہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنۃ (تغابن:۱۵)

تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔

فتنہ مصیبت آخر ایک نہ ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے مگر فتنہ نعمت زندگی کے کسی مرحلے پر نہیں رکتا۔ اس فتنے کی آگ کو سوائے قبر کی مٹی کے کوئی چیز نہیں بجھا سکتی۔ موت کا آہنی پنجہ ہی اس فتنے کے رخ کو موڑ سکتا ہے۔ قرآن میں ایک پوری سورۂ تکاثر اسی موضوع پر نازل ہوئی ہے۔

الھکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر کلاّ سوف تعلمون ہ ثم کلاّ سوف تعلمون ہ کلّا لو تعلمون ہ علم الیقین ہ لترونّ الجحیم ہ ثم لترونّھا عین الیقین ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم (سورۂ تکاثر (پ ۳۰)

ترجمہ: ''تم کو کثرت کی ہوس نے غافل کر دیا ہے یہ غفلت تمہاری قبر کی منزلوں سے پہلے ختم نہ ہوگی۔ ہرگز نہیں تم عنقریب جان لوگے پھر ہرگز نہیں تم عنقریب جان لوگے۔ ہرگز نہیں اگر تم جان لو پھر ہرگز نہیں اگر تم کو علم یقین حاصل ہو جائے۔ یقیناً تم جہنم کو دیکھو گے پھر تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ تم سے اس دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔

اس سورت میں بار بار انسان کو یقین و معرفت اور مشاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے، دراصل فتنہ نعمت انسان کے دل پر غفلت کے ایسے دبیز پردے ڈال دیتا ہے جو شدید ہولناکیوں کے بغیر نہیں ہٹتا۔ جب انسان اصل حقائق کا مشاہدہ کرے گا تب ہی غفلتوں کے یہ پردے چاک ہوں گے۔ اس لئے اس فتنہ کے اثرات زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہتے ہیں اور انسانی زندگی کی ہر گھڑی اس فتنے کے خطرات میں گھری ہوئی رہتی ہے اس طرح فتنہ نعمت اپنی

مدت اور تاثیر دونوں اعتبار سے فتنہ مصیبت کے مقابلے میں زیادہ پر خطر اور سنگین ہے۔

## مقام شکر

اگر انسان کو فتنہ نعمت کی مشکلات کا عرفان ہو تو فتنہ نعمت کے بالمقابل فتنہ مصیبت کو آسان خیال کرے۔ آج جن فتنوں سے امت مسلمہ دوچار ہے وہ فتنہ مصیبت ہے، فتنہ نعمت نہیں۔ اس طرح آج کا فتنہ ان فتنوں کے بالمقابل ہلکا ہے جن سے ہمارے اسلاف دوچار تھے اللہ نے ہم ضعیفوں پر احسان کیا کہ اس نے فتنہ کبریٰ سے بچا کر فتنہ صغریٰ میں مبتلا کیا۔ اس پر ہمیں پریشان ہونے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

## ہمارے اسلاف ہم سے زیادہ آزمائے گئے

فتنہ مصیبت میں بھی ہمارے اسلاف کو جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا وہ آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ شدید تھا اس کے باجود انہوں نے صبر کیا۔ اس کو وہ اپنے ایمان کا لازمی حصہ سمجھتے تھے۔ بعض صحابہ فرماتے تھے، جو شخص مصائب پر صبر نہ کرتا تھا اس کے ایمان کا ہم کوئی شمار نہیں کرتے تھے۔ قرآن نے صحابہ کی قوت صبر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ولنصبرن علی ما آذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون (سورۃ ابراہیم:۱۲)

''اور ہم بالیقین تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کرتے ہیں اور ارباب توکل کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے''۔

خود سرکار دو عالم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کے جن مشکل ترین مرحلوں سے گذرے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ (میں نے اپنے ایک مضمون ''نبی اکرم کی زندگی کے مشکل لمحات'' میں اس طرح کی مشکلات کو جمع کیا ہے، جو ہند و بیرون ہند کے مختلف رسائل میں شائع ہو چکا ہے)

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو بعض نو مسلم

دیہاتیوں نے کہا کہ یہ تقسیم اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوئی۔ حضور کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کے دونوں رخسار سرخ ہوگئے پھر آپ نے نہایت احساس تکلیف کے ساتھ فرمایا۔

**یرحم اللہ اخی موسی لقد اوذی باکثر من ھذا فصبر۔**

(متفق علیہ بروایت حضرت ابن مسعودؓ المغنی علی الاحیاء صفحہ ۱۷ ج ۴)

''اللہ میرے بھائی موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے بھی زیادہ ستایا گیا مگر انہوں نے صبر کیا''

## قرآن میں صبر نبوی کا تذکرہ

**ودع اذاھم وتوکل علی اللہ** (احزاب ۴۸)

''ان کی اذیتوں کو نظر انداز کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے''

قرآن میں کئی مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مشکل حالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آپ کو مخاطب کر کے ساری امت کو صبر کی تلقین کی ہے۔

**واصبر علی مایقولون واھجرھم ھجرا جمیلاً** (مزمل ۱۰)

''ان کی تکلیف دہ باتوں پر آپ صبر کریں اور حسن اسلوب کے ساتھ ان سے علیحدگی اختیار کریں''۔

**ولقد نعلم انک یضیق صدرک بمایقولون فسبح بحمد ربک** (الحجر ۹۷-۹۸)

''اور ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں سے دل تنگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے پروردگار کے حمد کی تسبیح پڑھئے''۔

**ولتسمعن من الذین اوتو الکتاب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا و تتقوا فان ذالک من عزم الامور** (آل عمران ۱۸۶)

''تم لوگ اہل کتاب اور مشرکین سے یقیناً بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے لیکن اگر تم

صبر اور تقوی کو اختیار کرو تو یہ انتہائی اعلیٰ ترین بات ہوگی''

**و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين** (النحل ۱۲۶)

''اگر تم انتقاماً سزا دینا چاہو تو اتنا ہی دو جتنا کہ تم کو ستایا گیا ہے لیکن اگر تم صبر کرو تو صابرین کا مقام بہت اونچا ہے۔''

## صبر کا اعلیٰ مقام

صبر کی اعلیٰ ترین منزل یہ ہے کہ انسان نہ صرف یہ کہ دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرے بلکہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

**صل من قطعک واعط من حرمک و اعف عن ظلمک** (مسند احمد بن حنبل مرقم ۱۲۵۷ حدیث: ۱۷۵۸۹ مطبوعہ بیت الا ذکار الدولیۃ ریاض ۱۴۱۹ھ)

جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو جو تم کو محروم کرے ان کو نوازو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:

''تم سے اس سے پہلے کہا گیا تھا کہ دانت کا بدلہ دانت ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لو بلکہ جو تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو اس کی طرف اپنا بائیں رخسا بھی پیش کردو۔ جو تمہاری چادر چھین لے اس کو اپنی ازار بھی دیدو اور جو تم کو ایک میل چلنے کے لئے مجبور کرے اس کے ساتھ تم دو میل چلے جاؤ (احیاء العلوم للغزالی ص ۷۲ ج ۴)

لوگوں کی اذیت رسانیوں پر صبر، صبر کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے اس لئے کہ اس میں دینی، شہوانی اور غضبانی تینوں محرکات کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن میں صبر کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔
(۱) اداء فرض پر صبر۔ اس کا درجہ تین سو (۳۰۰) درجات کے برابر ہیں۔ (۲) محرمات الٰہی سے صبر (اجتناب) اس کا درجہ چھ سو (۶۰۰) درجات کے برابر (۳) مصیبت پر پہلے صدمہ کے وقت صبر یہ نو سو (۹۰۰) درجات کے برابر ہے (احیاء العلوم ص ۲۷ ج ۴)

احادیث کے اندر آتا ہے کہ یقین کی قوت سے مصائب دنیا کا دفاع کیا جا سکتا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے یہ دعا مانگتے تھے۔

**اسالک من الیقین ماتھون علی بہ مصائب الدنیا (رواہ الترمذی والنسائی والحاکم وصححہ من حدیث ابن عمر وحسنہ الترمذی) المغنی عن حمل الاسفار ص ۷۲ ج ۴)**

اے اللہ میں آپ سے یقین کی وہ قوت مانگتا ہوں جس کے ذریعہ میں مصائب دنیا کا مقابلہ کر سکوں۔

## صبر کا پھل

مصیبت کے وقت صبر پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے کسی بندے کی طرف مصیبت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں اور اس کے بدن، مال یا اولاد کو کسی تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے۔ تو قیامت کے دن مجھے شرم محسوس ہوگی کہ میں اس کے لئے میزان نصب کروں یا اس کے لئے دیوان حاضر کروں (رواہ ابن عدی بسند ضعیف۔ المغنی ص ۷۲ ج ۴)

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کے ساتھ سہولیات کا انتظار کرنا عبادت ہے (رواہ الترمذی المغنی ص ۷۲ ج ۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر مومن بندہ مصیبت

کے وقت قرآنی ہدایات کے مطابق ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے اور یہ دعا کرے کہ اے اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور اس کا نعم البدل عطا کر' تو اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ (رواہ مسلم بروایت حضرت ام سلمہ المغنی ص ۲۷ ج ۴)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت جبریل سے فرمایا اے جبرئیل! جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں اس کا بدلہ کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا اللہ تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے۔ جتنا آپ نے ہمیں بتایا۔ اللہ نے فرمایا اس کا بدلہ یہ ہے کہ وہ میرے گھر میں ہمیشہ رہے گا اور میری زیارت سے مشرف ہوگا (رواہ الطبرانی فی الاوسط بحوالہ بالا)

ایک اور موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بندے کو کسی مصیبت میں گرفتار کر دیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہیں کرتا۔ تو اس کے گوشت اور خون کو بدل کر اس سے اچھا گوشت اور خون عطا کرتا ہوں۔ پھر اگر وہ بیماری سے شفایاب ہو جاتا ہے تو اس حال میں ہوتا ہے گویا اس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو۔ اور اگر شفایاب نہ ہو سکے اور وفات پا جائے تو وہ میری رحمت کے جوار میں پہنچ جاتا ہے (رواہ مالک فی الموطاء بحوالہ بالا)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ اے پروردگار اس غمزدہ کا بدلہ کیا ہے جو مصائب پر محض آپ کی رضا کے لئے صبر کرے؟ تو اللہ نے کہا اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اس کو ایمان کا ایسا لبادہ پہناؤں گا جو اس سے کبھی اتار نہیں جا سکے گا۔ (احیاء العلوم للغزالی ص ۲۷ ج ۴)

## صبر کا معیار

حضرت فضیلؒ سے صبر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا صبر فیصلہ الٰہی پر راضی رہنے کا نام ہے۔ پوچھا گیا یہ کیسے؟ فرمایا راضی بقضا شخص اپنی حیثیت سے زیادہ کی

تمنا نہیں کرتا (احیاء العلوم ص ۲۰ ج ۴)

شیخ شبلی مارستان کے قید خانے میں ڈال دیے گئے تو ان سے ملنے کے لئے ایک جماعت حاضر ہوئی۔ شیخ نے دریافت کیا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم آپ کے محبین ہیں آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ان پر پتھر پھینکنا شروع کیا وہ لوگ بھاگنے لگے۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ اگر تم کو حقیقت میں مجھ سے محبت ہوتی تو میری دی ہوئی تکلیف پر صبر کرتے (بحوالہ بالا)

بعض عارفین کے حالات میں ہے کہ وہ اپنی جیب میں ہر وقت ایک رقعہ رکھتے تھے اور وقفہ وقفہ سے اس کو نکال کر دیکھتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ درج تھی

واصبر لحکم ربک فانک باعیننا (الطور: ۴۸)

یعنی اپنے رب کے حکم پر صبر کر۔ اس لئے کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو (حوالہ بالا)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نصیحت فرمائی کہ مومن کے تقویٰ کی تین علامات ہیں۔ (1) غیر حاصل شدہ چیز پر توکل (۲) حاصل شدہ چیز پر رضامندی (۳) اور فوت شدہ چیز پر صبر (حوالہ بالا)

# صحابہ کرام کا امتیاز

صحابہ کرام کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ خدائی فیصلوں پر راضی رہتے تھے وہ صبر کی سب سے اونچی منزل مقام رضا بلکہ مقام محبت پر فائز تھے۔ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات ان کو دل تنگ کرنے کے بجائے فرحت وآسودگی بخشتے تھے۔ اسی لئے قرآن نے ان کو مقام رضا کا طغرۂ امتیاز دیتے ہوئے کہا

رضی الله عنهم و رضواعنه (البینۃ ۸)

اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔

یہ کوئی معمولی مقام نہیں ہے۔ بڑی ریاضتوں کے بعد یہ مقام ملتا ہے۔ جب انسان مقام رضا پر پہنچتا ہے۔ تو رضوان الٰہی اسے میسر ہوتا ہے جب بندہ اپنے کو اللہ کے ہر فیصلے پر راضی کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہی خدا کے اصول مجازات کا تقاضا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

هل جزاء الاحسان الاالاحسان (الرحمان: ۶۰)

احسان کا بدلہ صرف احسان ہے"

اور ایک مقام پر ارشاد ہے۔

و مساكن طيبة فى جنات عدن و رضوان من الله اكبر (الصف: ۱۲)

اللہ ان کو بدلے میں جنت عدن میں عمدہ ٹھکانے دے گا اور اللہ کی رضامندی اس سے بھی بڑی چیز ہے۔

جب بندے کو خدا کی رضا مل جاتی ہے تو وہ مقام رضا سے بلند ہو کر مقام محبت پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ کسی بندے کی ترقی کی آخری منزل ہے۔ ایک بندہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی اس کی آخری مراد اور آخری آرزو ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جب جنت میں

تمام مومنین اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے تو اللہ کی تجلی ظاہر ہوگی اور اللہ ان سے کہے گا کہ تم کو تمام تر نعمتیں میسر ہو چکی ہیں۔ کوئی چیز اور مانگنا چاہو تو مانگو۔ تو اس وقت بندوں کا آخری سوال یہ ہوگا کہ پروردگار! ہم آپ کی رضا کے طلب گار ہیں۔ (اخرجہ البزاز والطبرانی فی الاوسط بحوالہ المغنی ج ۴ ص ۳۴۴)

## مقام رضا

تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود کو خدا کے فیصلے پر راضی کیا جائے۔ یہ صبر کی درمیانی منزل ہے جب تک انسان اس درمیانی منزل کو عبور نہ کرے گا۔ آخری منزل بھی نہ پا سکے گا اس لئے انسان کو خدائی اعمال پر نگاہ ڈالنے کے بجائے سب سے زیادہ اپنے اعمال اور دل کی کیفیات پر توجہ دینی چاہئے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔

''خوش نصیب ہے وہ شخص جسے اسلام کی توفیق دی گئی۔ بقدر کفاف رزق سے نوازا گیا اور وہ اس پر راضی رہا'' (اخرجہ الترمذی بسند صحیح۔ بحوالہ المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۴ ص ۳۴۴)

ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اللہ کی دی ہوئی تھوڑی رزق پر راضی ہو جائے اللہ اس کے تھوڑے عمل سے بھی راضی ہو جائیں گے۔ (رواہ ابو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس بحوالہ بالا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ان سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے پروردگار سے کوئی ایسی چیز طلب فرمائیے۔ جس پر ہم عمل کریں تو وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوئے الٰہی! آپ نے بنی اسرائیل کی درخواست سن لی ہے آپ کا کیا حکم ہے؟ پروردگار نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! ان سے کہو کہ وہ مجھ سے اور میرے فیصلوں سے راضی رہیں تو میں بھی ان سے راضی رہوں گا۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۵)

اس کی تائید حضرت جابر کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو حاکم نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ عزوجل کے نزدیک اپنا مقام جاننے کا آرزومند ہو اس کو دیکھنا چاہیے کہ اللہ پاک کا اس کے نزدیک اور اس کی زندگی میں کیا مقام ہے۔ یقیناً اللہ ہر بندے کو اس مقام پر رکھے گا جس مقام پر بندے نے اللہ کو رکھا ہوگا (المغنی عن حمل الاسفار ج ۴ ص ۳۴۵)

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ سے عرض کیا پروردگار! ایسے امر کی رہنمائی فرما جس سے آپ کی رضامندی حاصل ہو اللہ نے وحی فرمائی کہ میری رضا ناگواریوں میں مضمر ہے۔ اور تو ناگوار چیزوں پر صبر نہیں کرے گا حضرت موسیٰ نے درخواست دہرائی کہ پروردگار مجھے وہ ناگوار چیز ہی بتادے تو اللہ نے کہا میری رضا اس میں مضمر ہے کہ تو میرے فیصلوں پر راضی رہے (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۵)

## شکوہ مقام رضا کے خلاف ہے

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو ہند داری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جو شخص میری بلیات پر صبر نہ کرے میری نعمتوں کا شکر نہ کرے اور میرے فیصلوں پر راضی نہ ہو اسے چاہئے کہ میرے سوا کوئی اور رب ڈھونڈ لے (المغنی ج ۴ ص ۳۴۵)

حضرت ابوامامہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خیر کو پیدا کیا پس خوشا نصیب اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پر خیر کو جاری فرمایا۔ اور ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پر شر کو جاری فرمایا اور ہلاکت در ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جو پوچھے یہ کیوں ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ (اخرجہ ابن ماجہ فی شرح

السنۃ بحوالہ بالا)

اور زمانہ ماضی کی خبروں میں ہے کہ ایک نبی نے بارگاہ الٰہی میں مسلسل دس سال تک فقر وفاقہ اور جوں کی تکالیف کے لئے فریاد کی مگر قبول نہیں ہوئی۔ دس سال کے بعد اللہ نے ان پر وحی فرمائی کہ کب تک شکوہ کرتے رہوگے؟ تمہارے بارے میں یہ فیصلہ میں نے ام الکتاب میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے قبل ہی لکھ دیا تھا تمہارے لئے میرا یہ فیصلہ تخلیق دنیا سے قبل ہو چکا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری وجہ سے میں دنیا کو دوبارہ پیدا کروں؟ یا تم چاہتے ہو کہ میں اپنے فیصلے کو تمہارے لئے بدل دوں؟ تا کہ تمہاری چاہت اور ارادہ میری چاہت اور ارادہ کے مقابلے میں فائق رہے؟ میری عزت وجلال کی قسم آج کے بعد پھر کبھی ایسا خیال اگر تیرے دل میں پیدا ہوا تو دفتر نبوت سے تیرا نام خارج کردوں گا (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۶)

اس روایت پر علامہ عراقی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے (المغنی ج ۴ ص ۳۴۶) علامہ زبیدی نے اتحاف السادۃ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ اس کو صاحب القوت نے نقل کیا ہے (اتحاف السادۃ ج ۱۲ ص ۵۲۱)

بڑے ہی خوف کا مقام ہے اسی لئے حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ اس اثناء میں آپ نے میرے کسی عمل کے بارے میں یہ سوال نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا؟ نہ کسی رونما ہونے والی چیز کے بارے میں یہ فرمایا کہ کاش ایسا نہ ہوتا؟ اور نہ کسی غیر موجود چیز کے بارے میں فرمایا کہ کاش یہ ہو جاتا۔ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی اگر میرے کسی عمل پر اعتراض کرتا تو آپ فرماتے اسکو چھوڑ دو۔ فیصلہ الٰہی یہی تھا۔ ورنہ یہ ایسا نہ کرتا۔ (متفق علیہ بحوالہ المغنی ج ۴ ص ۳۴۶)

## تفویض کامل کا مقام

یہ خدا کے حضور تفویض کامل کا مقام ہے۔ اس حد تک سپردگی عام انسانوں کے لئے ناممکن ہے البتہ جو لوگ کسی درجہ میں بھی اس اسوہ نبوی کی پیروی کریں گے ان کو بلند ترین مقام حاصل ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو ہر حال میں اللہ کی حمد کرنے والے ہوں گے (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۶)

حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ جو قضا پر راضی نہ ہو اس کی حماقت کا کوئی علاج نہیں۔ (حوالہ بالا)

حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں رہ سکتے تو اپنی تقدیر پر بھی راضی نہ رہ سکو گے (حوالہ بالا)

حضرت عبدالعزیز بن ابی داؤد کا قول ہے "جو اور سرکہ کھانا اور صوف اور بال پہننا کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ اللہ سے ہر حال میں انسان راضی رہے۔ (حوالہ بالا)

حضرت محمد بن واسع کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاؤں میں زخم دیکھ کر کلمات ترحم استعمال کئے اس پر حضرت محمد بن واسع نے فرمایا کہ میں تو جب سے یہ زخم نکلا ہے مسلسل اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ یہ زخم میرے پاؤں میں نکلا۔ آنکھوں میں نہیں (حوالہ بالا)

جب انسان خدائی فیصلوں پر ہر حال میں راضی رہنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ خدا کے ہر عمل کا راز پالیتا ہے اور موقع صبر میں بھی موقع شکر نکال لیتا ہے۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے طویل زمانہ تک اللہ کی عبادت کی تو اسے خواب میں دکھایا گیا کہ بکریاں چرانے والی فلانی عورت جنت میں تمہاری رفیق ہوگی اس عابد نے اس خاتون کو تلاش کیا اور تین دن تک اس کا مہمان رہنے کی خواہش کی۔ تاکہ اس

کے اعمال پر نگاہ رکھ سکے۔ اس عورت کا معمول یہ نظر آیا کہ وہ ایک رات عبادت کرتی ہے اور ایک رات سوتی ہے۔ اسی طرح ایک دن کے وقفہ سے روزہ رہتی ہے۔ عابد نے خاتون سے کہا کہ ان اعمال کے علاوہ بھی تمہارا کوئی عمل ہے جو میری نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ خاتون نے کہا نہیں بس میرا اتنا ہی عمل ہے۔ عابد نے کہا یاد کرو۔ شاید کوئی عمل اور یاد آجائے۔ آخر اس کو یاد آگیا اور اس نے کہا ہاں میری ایک عادت ہے۔ وہ یہ کہ اگر میں سخت ترین حالات سے دوچار ہوتی ہوں تو اچھے حالات کی تمنا نہیں کرتی۔ بیمار رہتی ہوں تو صحت کی آرزو نہیں کرتی اور دھوپ میں رہتی ہوں تو سایہ کی طلب نہیں ہوتی۔ عابد نے کہا بس بس! یہی وہ خصلت ہے جو عام انسانوں کی بات نہیں (حوالہ بالا)

علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو صاحب القوت نے ذکر کیا ہے نیز اس کو عبدالعزیز بن ابی رواد کے بلاغات کے طور پر ابونعیم نے الحلیہ میں روایت کیا ہے (اتحاف السادۃ ج ۱۲ ص ۵۲۴)

بعض اسلاف کا قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اہل زمین اس فیصلے کو بخوشی قبول کرلیں۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۶)

حضرت عبدالعزیز کی آنکھ چلی گئی مگر بیس سال تک انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے گھر والوں سے بھی نہیں کیا ایک دن ان کے صاحبزادے نے غور کیا تو پوچھا ابا جان! کیا آپ کی آنکھ ختم ہوچکی ہے؟ تو حضرت عبدالعزیز نے فرمایا ہاں بیٹے زمانہ ہوا اللہ کی مرضی تیرے باپ کی آنکھ کو لے جاچکی ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین للعلامۃ السید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی ج ۱۲ ص ۵۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۰۹ھ م ۱۹۹۹ء)

## رضا کا معیار

مشہور محدث اور فقیہ حضرت سفیان ثوری کی زبان سے ایک دن حضرت رابعہ بصریہ کے پاس یہ دعا نکلی کہ ''اللھم ارض عنی'' اے اللہ مجھ سے راضی ہوجا'' اس پر حضرت

رابعہ بصریہ نے کہا آپ کو اللہ سے شرم نہیں آتی۔ آپ اللہ کی رضا کے طلب گار ہیں اور خود اللہ سے راضی نہیں۔ حضرت سفیان ثوری کو اس پر تنبہ ہوا اور استغفار پڑھا۔ اس پر حضرت جعفر بن سلیمان الضبعیؒ نے کہا کہ بندہ کب اللہ سے راضی مانا جاتا ہے؟ تو حضرت رابعہ نے فرمایا جب بندہ مصیبت پر بھی اتنا ہی خوش ہو جتنا کہ نعمت پر ہوتا ہے تو سمجھو کہ وہ بندہ اللہ سے راضی ہے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۷)

حضرت سہل التستریؒ فرماتے ہیں کہ دراصل انسان میں جس قدر یقین کی قوت ہوگی اسی کے بقدر اس کو مقام رضا سے بھی حصہ ملے گا (اتحاف السادۃ ج ۱۳ ص ۵۲۵)

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے راحت اور فرحت کو رضا اور یقین میں اور غم اور حزن کو شک اور ناراضی میں مضمر کیا ہے۔ (رواہ الطبرانی المغنی للعراقی ج ۴ ص ۳۱۷) ورواہ عطیہ عن ابی سعید الخدری مرفوعا اتحاف السادۃ ج ۱۳ ص ۵۲۶)

## معرفت کی ضرورت

دراصل بندہ اپنے آقا سے جس قدر محبت و یقین کا رشتہ رکھے گا اسی قدر اس کی جانب سے پیش آنے والی تکلیفوں کا اسے احساس نہ ہوگا۔ یا احساس کے باوجود یہ مرحلہ اس کے لئے تکلیف دہ ہونے کے بجائے فرحت بخش ہوگا جس طرح کہ ایک مریض آپریشن کی تکالیف کو تو محسوس کرتا ہے مگر یہ احساس اس کے لئے باعث اذیت نہیں بلکہ باعث طمانیت ہوتا ہے جب تک انسان ایمانیات کے ابواب میں کم از کم اس درجہ کا یقین حاصل نہ کرلے جس درجہ کا یقین ایک عام مریض کو اصول صحت کے باب میں ہوتا ہے اس کے بغیر وہ لذت ایمان حاصل نہیں کر سکے گا اور نہ وہ مقام رضا یا مقام محبت سے سرفراز ہو سکے گا۔

مشکلات انسان کے لئے کس درجہ باعث خیر ہیں اور ان پر کتنا ثواب ملتا ہے اگر انسان اس کا استحضار کرے تو مشکلات اور تلخیوں پر کبھی پریشان نہ ہو اور نہ کبھی ان سے نجات پانے

کی تمنا کرے حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ جو شخص مصائب کے ثواب پر نگاہ رکھے گا وہ کبھی ان سے نجات پانے کا خواہشمند نہ ہوگا (احیاء العلوم للغزالی ج ۴ ص ۳۴۸)

## دوست کی مار تکلیف دہ نہیں ہوتی

انسان معمولی دنیا کے حصول کے لئے بڑی بڑی مشکلات بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ اگر فی الواقع اسے آخرت کی عظیم نعمتوں کا حقیقی عرفان حاصل ہو جائے۔ تو ان سے بھی بڑی مشکلات قبول کرنے کے لئے وہ تیار رہے۔ مگر انسان عجلت پسند ہے۔ عاجلانہ منافع کے لئے وہ مشکلات برداشت کر سکتا ہے مگر حقیقی منافع کے واسطے مشکلات اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔

حضرت سہل تستری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرض میں مبتلا تھے اور دنیا جہان کے لوگوں کے اس مرض کا علاج کرتے تھے لیکن خود اپنا علاج نہیں کرتے تھے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ اے دوست محبوب کی مار تکلیف نہیں دیتی (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۷)

یہ مقام استغراق ہے۔ علامہ زبیدی نے منصور حلاج کا ایک واقعہ نقل کر کے لکھا ہے کہ کبھی دوست کی مار تکلیف دہ بھی ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ منصور حلاج جب مصلوب کیے گئے اور لوگوں کو پتھر مارنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ مگر وہ خاموش رہے ایک لفظ آہ بھی ان کی زبان سے نہ نکلا۔ اسی دوران ان کی بہن بھی خبر سن کر پہنچ گئیں وہ بھی صاحب معرفت تھیں انہوں نے ایک چھوٹا سا پتھر لے کر ان پر پھینکا تو انہوں نے تکلیف سے پکارا آہ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا دوست کی مار تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس تکلیف کی توجیہ زبیدی نے یہ کی ہے کہ ان کی بہن عارفہ تھیں اور منصور کے عذر کو سمجھ رہی تھیں اس کے باوجود انہوں نے پتھر مارا اس لئے تکلیف ہوئی

(اتحاف السادۃ ج ۱۲ ص ۵۲۸

احقر کے خیال میں ایک دوسری توجیہ یہ ہے کہ تکلیف دوست کی مار پر نہیں ہوئی بلکہ اس بات پر ہوئی کہ دوست' دشمنوں کی صف میں کیوں چلا گیا؟ اکیلے کی مار اور دشمن کے ساتھ مل کر مارنے میں فرق ہے۔ دوست دشمن کی صف میں چلا جائے' کسی سچے دوست کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کیا ہوگی؟

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی سے پوچھا کیا محب اپنے محبوب کی مصیبت سے تکلیف محسوس کرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں میں نے کہا اگرچہ تلوار سے مارے؟ انہوں نے فرمایا ہاں اگرچہ ستر (۷۰) بار پے در پے تلوار سے مارے (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۸)

## محبوب کی ہر پسند میری پسند ہے

بعض عارفین کہتے ہیں کہ میں اپنے دوست کی ہر پسند کو پسند کرتا ہوں یہاں تک کہ اگر وہ میرے لئے آگ پسند کرے تو میں بھی اپنے لئے آگ پسند کروں گا (حوالہ بالا)

حضرت بشر بن حارث حافی کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کے پاس سے گذرا اس کو مشرقی بغداد میں ایک ہزار کوڑے لگائے گئے تھے اور اس نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ پھر اسے قید خانے کی طرف لے جایا گیا۔ تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ موقع پا کر میں نے اس سے دریافت کیا عزیزم تم کو مار کیوں لگی؟ اس نے کہا اس لئے کہ میں عاشق ہوں' میں نے پوچھا پھر تم نے اتنی مار کھانے کے باوجود آہ و فریاد نہیں کی بالکل خاموش رہے۔ اس نے کہا ہاں اس لئے کہ میرا معشوق میرے سامنے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا کاش تم معشوق اکبر کو دیکھ لیتے۔ اتنا سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گرا اور روح اس کے قفس عنصری سے پرواز کر گئی (حوالہ بالا)

انہی حضرت بشر حافی کا بیان ہے کہ میں جن دنوں عبادان پہنچا تھا ان دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دن میری گذر ایک نابینا جذام زدہ اور مجنون شخص کے پاس سے ہوئی وہ زمین پر پڑا

ہوا تھا اور چونٹیاں اس کا گوشت کھا رہی تھیں۔ میں نے اس کا سر اٹھایا اور اپنی گود میں رکھ لیا۔ میں نے اس کو بار بار آواز دی اور جھنجھوڑا تو کچھ دیر کے بعد اس کو افاقہ ہوا۔ اس نے کہا یہ کون فضولی ہے جو میرے اور میرے پروردگار کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ اگر میرا رب مجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے تو بھی مجھے محبت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت بشرؒ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے اس طرح کے کسی معاملے میں بندہ اور رب کے درمیان کبھی مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (حوالہ بالا)

علامہ زبیدی نے اس سے ملتے جلتے کئی واقعات بعض دوسرے حضرات سے بھی نقل کئے ہیں حضرت علی بن سعید العطار کا بھی اس قسم کا ایک تجربہ انہوں نے نقل کیا ہے۔ جس میں مبتلائے مصیبت مجذوم اور زمین پر پڑا ہوا شخص ان کی مداخلت پر چیختا ہے اور کہتا ہے کہ اے مکلف شخص! تجھے میرے اور میرے رب کے درمیان مداخلت کا کیا حق ہے؟ میرا رب میرے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے؟ پھر وہ اپنے رب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے اے رب ذوالجلال! تیری عزت و جلال کی قسم اگر تو مجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے۔ اور عذابوں کا سمندر بھی مجھ پر انڈیل دے تب بھی میری محبت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ تیرے مصائب کی شرح سے میری محبت کی شرح اور بھی زیادہ بڑھتی جائے گی۔ (اتحاف السادۃ ج ۱۲ص ۵۳۱)

مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے حضرت جبرئیل سے کہا کہ آپ مجھے بتایئے کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عابد کون ہے؟ حضرت جبریل نے ان کو ایسے شخص کی رہنمائی کی جس کے ہاتھ اور پاؤں جذام کی وجہ سے شل ہو چکے تھے اور اس کی آنکھیں بھی ختم ہو چکی تھیں سنا گیا کہ وہ کہہ رہا تھا الٰہی! ان اعضا سے جس قدر مجھے فائدہ پہنچنا تھا آپ نے پہنچا دیا اور جب آپ نے چاہا فائدہ پہنچانا روک دیا اب صرف ایک امید کی نعمت باقی رہ گئی ہے اے پروردگار! اور یہ بھی آپ کا احسان ہے (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۲۸)

## مصیبت میں بھی نعمت کا پہلو

حضرت عیسی علیہ السلام کے واقعات میں ہے کہ وہ ایک بار ایک نابینا برص زدہ فالج زدہ اور اپاہج شخص کے پاس سے گذرے جذام کے اثر سے اس کا گوشت کٹ کٹ کر گر رہا تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بہت سی ان مصیبتوں سے نجات دی جن سے دوسرے بہت سے لوگ دوچار ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اے شخص! کون سی مصیبت ہے جس میں تو مبتلا نہیں ہے؟ پھر کس عافیت پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے؟ اس نے کہا اے روح اللہ! میں ان لوگوں سے بہتر ہوں جن کے دل میں اللہ کی معرفت نہیں ہے۔ جبکہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے دل میں اس کی معرفت موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ لاؤ اپنا ہاتھ بڑھاؤ حضرت عیسیٰ کی توجہ سے وہ شفایاب اور خوش شکل ہوگیا اور اللہ نے اس کی تمام پریشانیاں دور فرمادیں پھر وہ حضرت عیسیٰ کا خادم بن گیا۔ اور ان کی ہدایات کے مطابق اللہ کی عبادت میں مشغول ہوگیا (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۴۹)

حضرت عروہ بن زبیرؓ کا ایک پاؤں ناسور کی وجہ سے گھٹنا تک کاٹ دیا گیا تھا وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے فاسد حصہ کو الگ کرکے صالح حصہ میرے لئے باقی رکھا۔ (حوالہ بالا)

## نگاہ حقیقت میں مصیبت' مصیبت نہیں

حضرت عمران بن حصینؓ کو استسقاء بطن کی بیماری تھی وہ اس میں اتنے لاغر اور معذور ہوگئے کہ مسلسل تیس سال تک پشت کے بل چت لیٹے رہے۔ نہ کھڑے ہوسکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے۔ قضائے حاجت کے لئے ان کے تخت میں مقام استنجا کے پاس سوراخ کردیا گیا تھا۔ جس سے وہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ ایک دن ان سے ملنے کے لئے حضرت مطرف اور ان کے بھائی حضرت علاء تشریف لائے۔ انہوں نے ان کی یہ

حالت دیکھی تو رونے لگے۔ حضرت عمران نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا آپ کی یہ شدید ترین حالت دیکھ کر رونا آرہا ہے۔ حضرت عمران نے فرمایا مت روئیے۔ اس لئے کہ جو چیز اللہ کو پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے؟ پھر فرمایا میں آپ لوگوں کو ایک بات بتلاتا ہوں' شاید آپ حضرات کے لئے مفید ہو۔ میری موت تک اس بات کو راز میں رکھئے۔ وہ بات یہ ہے کہ روزانہ ملائکہ میری زیارت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ جس سے مجھے تسلی ہوتی ہے۔ وہ مجھے سلام کرتے ہیں۔ تو ان کا سلام سنتا ہوں اس لئے یہ مصیبت عذاب نہیں ہے بلکہ ایک نعمت ہے۔ جس کے باعث بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کیا جا رہا ہوں اگر یہ عذاب الہٰی ہوتا تو عذاب الہٰی کسی نعمت عظمٰی کا سبب نہیں بن سکتا جو مصیبت کے ان انعامات کا مشاہدہ کرتے اس کے لئے مصیبت مصیبت نہیں بلکہ راحت بن جاتی ہے (احیاء العلوم للغزالی ج ۴ ص ۳۴۹)

واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ جب مکہ تشریف لائے تو اس وقت وہ نابینا ہو چکے تھے لوگوں کو ان کی آمد کی خبر ملی تو جوق در جوق ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے حضرت سعد مستجاب الدعوات تھے حضور نے ان کے لئے خاص طور پر دعا فرمائی تھی اللھم اجب لسعد دعوته

اے اللہ سعد کی دعاؤں کو قبول فرما۔

ہر ایک کوئی نہ کوئی درخواست دعا پیش کرتا اور وہ ہر ایک کے لئے دعا فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن سائب فرماتے ہیں میں بھی ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت میں لڑکا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو انہوں نے پہچان لیا اور فرمایا کہ تم ہی اہل مکہ کے قاری ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں! پھر پورا واقعہ بیان کیا اور آخر میں فرمایا میں نے حضرت سعد سے عرض کیا۔ چچا جان! آپ لوگوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اگر خود اپنے لئے دعا فرما لیتے تو اللہ آپ کی آنکھیں لوٹا دیتا۔ اس پر وہ مسکرائے اور فرمایا بیٹے اللہ کا فیصلہ میرے نزدیک میری

آنکھ سے زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہے۔ (احیاء العلوم للغزالی ج ۴ ص ۳۵۰)

## "اللہ کے ہر کام میں کوئی خیر پوشیدہ ہوتا ہے"

اہل معرفت جانتے ہیں کہ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی خیر ضرور پوشیدہ ہوتا ہے۔ ہماری اندھی آنکھیں اس کا مشاہدہ نہ کرسکیں تو ہمارا قصور ہے۔ اللہ ظالم نہیں ہے۔ سارے بندے اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کو اپنے بندوں سے اتنا پیار ہے جو ماں کے مامتا اور باپ کی شفقت سے بھی ہزاروں درجہ بڑھ کر ہے۔ جس خدا نے اتنے پیار کے ساتھ مخلوق بنائی اور کائنات کی تمام چیزوں کو اس کی راحتوں اور مفادات کے لئے مسخر کیا وہ اپنے بندے کے لئے ظالم کیوں کر ہوسکتا؟ ہر مصیبت میں اللہ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے جس کا عام لوگوں کو علم نہیں ہوسکتا۔ کبھی بڑی مصیبت سے بچانے کے لئے چھوٹی مصیبت نازل کی جاتی ہے۔ کبھی اللہ اپنے بندے کے لئے جو مقامات عالیہ مقرر کرتا ہے اس کے اعمال اگر اس لائق نہیں ہوتے تو مصائب کے ذریعہ اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ کبھی اللہ دشمن کو بڑی ہولناکی میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اور اللہ کے کمزور بندوں سے یہ عظیم صورت حال پیدا نہیں کی جاسکتی۔ تو اللہ ان کمزور بندوں کو راستے سے ہٹا کر کافر کے لئے کسی اور ذریعہ سے کوئی ایسا دلدل قائم کردیتے ہیں جس سے وہ عرصہ دراز تک باہر نہ نکل پائیں اللہ کے مصالح اور اسرار کا ادراک انسان کا کمزور دماغ نہیں کرسکتا۔ انسان بہت کمزور ہے جس کمزور کو ساری مخلوقات کا بھی علم نہ ہو وہ حکمت تخلیق تک رسائی کیسے حاصل کرسکتا ہے۔ اس لئے اللہ کے فیصلوں اور اعمال کے بارے میں جس حد تک ممکن ہو خیر کے پہلو تلاش کرنے چاہئے۔ اور اگر سمجھ میں نہ آسکے تو معاملہ علم الٰہی پر چھوڑ دینا چاہئے اور یہ یقین کرنا چاہئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی ہمارے لئے خیر کا پہلو موجود ہے جس کا علم ہمیں نہیں۔ اور ممکن ہے آئندہ کے حالات دواقعات ثابت کردیں کہ جو کچھ ہوا وہ ہمارے لئے خیر تھا۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الرضا میں حضرت سعید بن المسیب کے حوالے سے نقل کیا

ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی اے بیٹے! اگر تم کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو خواہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہو یا موافق۔ اپنے دل میں یہ یقین ہر حال میں رکھو کہ اس میں تمہارے لئے کوئی خیر ضرور پوشیدہ ہے۔ اس نصیحت کے کچھ دنوں بعد حضرت لقمان اپنے بیٹے کے ساتھ ایک نبی سے ملاقات کے لئے سفر پر نکلے۔ ایک گدھے پر خود اور دوسرے پر صاحبزادے سوار ہوئے چند دنوں کے سفر کے بعد ایک وسیع جنگل کا سامنا ہوا وہ لوگ ہمت کر کے اس جنگل میں چلتے رہے۔ دن چڑھ گیا گرمی تیز ہو گئی زاد سفر ختم ہو گیا۔ گدھے تھک کر سست رو ہو گئے۔ بالآخر انہوں نے گدھوں سے نجات حاصل کر لی اور وہ لوگ پیادہ پا چلنے لگے۔ جنگل کا یہ پیادہ پا سفر ان کے لئے حد درجہ دشوار تھا۔ اسی اثناء حضرت لقمان نے اپنے آگے سیاہی اور دھواں محسوس کیا۔ سیاہی کا مطلب تھا درخت اور دھواں کا مطلب تھا کہ کوئی آبادی آگے موجود ہے۔ اسی حال میں وہ لوگ گرتے پڑتے آگے کی طرف چل رہے تھے کہ صاحبزادے کا پاؤں اچانک کسی ہڈی پر پڑا اور وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت لقمان نے یہ منظر دیکھا تو بے تابانہ بیٹے کی طرف لپکے اور اس کو اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے کہا شاید اس میں میرے لئے کوئی خیر ہو۔ اور اپنے دانتوں سے پاؤں میں گھسی ہوئی ہڈی کو نکالنے لگے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بیٹے نے باپ کی کیفیت دیکھی تو اس نے کہا ابا جان! آپ رو بھی رہے ہیں۔ اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اس میں ہمارے لئے خیر ہے۔ جبکہ ہمارا زاد سفر ختم ہو چکا ہے۔ اور ہمارا اور آپ کا یہ حال ہو چکا ہے اور ہم بے بسی کے عالم میں اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔ آپ اگر مجھے چھوڑ کر جاتے ہیں تو غمزدہ ہو کر جائیں گے اور اگر میرے لئے یہیں رکتے ہیں تو بالآخر ہم دونوں مر جائیں گے۔ فرمائیے ابا جان! ہمارے لئے اس میں کیا خیر ہے؟ اور اگر خیر ہے تو آپ رو کیوں رہے ہیں؟ حضرت لقمان نے فرمایا بیٹے میرا رونا شفقت پدری کی بنیاد پر ہے۔ اور جو میں کہہ رہا ہوں کہ اس میں خیر ہے وہ بھی حق ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اللہ نے تجھے کسی بڑی

مصیبت سے بچانے کے لئے اس چھوٹی مصیبت میں گرفتار کیا ہو۔ آج ہم جن پریشانیوں سے دوچار ہیں ممکن ہے آئندہ حالات سے ثابت ہو جائے کہ یہ ان پریشانیوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ جن میں ہم مبتلا ہو سکتے تھے۔

یہ کہتے ہوئے حضرت لقمان کی نگاہ آگے کی طرف گئی تو وہ دھواں اور سبزہ غائب تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے نظر آیا تھا۔ ان کو حیرت ہوئی اسی عالم حیرت میں دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑے پر سوار سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ جب قریب آیا تو اس نے اپنے کو حجاب میں کر لیا۔ اور چیخ کر کہا کیا تم لقمان ہو؟ حضرت لقمان نے اثبات میں جواب دیا گھوڑ سوار نے پوچھا تمہارے بیٹے نے کیا کہا؟ ۔۔۔۔ حضرت لقمان نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں جبرئیل ہوں۔ مجھے اللہ نے آج اس شہر کو دھنسانے کا حکم فرمایا تھا۔ اور مجھے یہ بھی خبر ملی تھی کہ تم دونوں وہاں کا ارادہ رکھتے ہو تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ ان دونوں کو کسی طرح وہاں پہنچنے سے روکا جائے۔ چنانچہ اللہ نے تم دونوں کو اس لڑکے کی مصیبت کے ذریعہ روک دیا اگر تم روکے نہ جاتے۔ اور تم قبل از وقت اس مقام پر پہنچ جاتے تو خدا کے فیصلہ عذاب سے تم بھی نہ بچ پاتے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل نے اپنا ہاتھ لڑکے کے پاؤں پر پھیرا تو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا پھر انہوں نے ان دونوں کو پرندوں کی طرح اڑاتے ہوئے ان کے مقام پر پہنچا دیا۔ (اتحاف السادۃ ج ۱۲ ص ۵۳)

غرض اللہ کا کوئی کام کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں۔ مگر انسان عجلت پسند ہے۔ وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ پریشان ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس واقعہ میں اس کے لئے کیا خیر پوشیدہ ہے۔ اللہ کس دور میں کیا نظام پسند کرتا ہے؟ کس قوم کو کس پر مسلط کرتا ہے؟ کس کے ذریعہ ایک دور کو ختم کرتا ہے اور دوسرے دور کو جنم دیتا ہے؟ اور کون سا دور کس قوم کے لئے کس طور پر مفید ہوگا اور کس طور پر نقصان دہ؟ ان تمام کے اسباب وعلل اور اسرار و رموز کو اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے؟ انسان جن حالات میں پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے اور جن

اشخاص ومناظر سے اس کا سامنا ہوتا ہے اس کے فہم ومطالعہ میں بھی وہ بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔ تو پورے کائناتی نظام کے اسرار وحقائق کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے جبکہ اس کے دل ودماغ اور فکر وخیال میں وہ توانائی نہیں، ایک کمزور مخلوق ہے یہ، انسان کو پیدا کرنے والا خود کہتا ہے

وخلق الانسان ضعیفا (النساء ۲۸)

اور انسان کمزور پیدا کیا گیا۔

پھر ایک کمزور اور لاعلم انسان اگر کوئی بات نہیں سمجھ پاتا تو پریشان کیوں ہو جاتا ہے؟ اسے علم الٰہی پر محول کیوں نہیں کر دیتا کہ جو ہو رہا ہے اس میں ضرور کوئی خیر پوشیدہ ہے۔

# صدیوں پر محیط دورِ زوال

آج بعض ملی اور قومی زوال کے حادثات سے ہمارے سینے چور اور دل شکستہ ہیں مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ غیر متوقع ہے۔ عہد عالمگیری کے بعد عالمی طور پر یہ امت جس دور زوال میں داخل ہوئی ہے اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اب تک کی سینکڑوں کوششوں کے باوجود اس دور زوال کا خاتمہ نہ ہو سکا اور ایسا نہیں ہے کہ تاریخ زوال پذیر ہو رہی تھی اور ہماری ملت کے افراد کھڑے اس کا تماشا دیکھتے رہے۔ یہ دیوار گر رہی تھی اور کسی نے اس کو سنبھالا نہیں دیا اور یہ چراغ بجھ رہا تھا اور کسی نے اس کی لو تیز کرنے کی کوشش نہیں کی ہر دور میں اس امت کو ایسے خوش نصیب افراد میسر ہوئے جنھوں نے اپنے بازوئے ہمت سے اس گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی کوشش کی اپنی قوت ایمانی سے روبزوال تاریخ کا رخ موڑنے کی تدبیریں کی، اس بجھتے ہوئے چراغ کے لئے اپنا خون جگر اور خون شہادت پیش کیا' لیکن بعض مرتبہ تاریخ اپنا فیصلہ خود کرتی ہے اور قدرت کی شان استغنا عزیمت کے بڑے بڑے پہاڑوں کی پرواہ نہیں کرتی ہماری پانچ سو سالہ زوال پذیر تاریخ غالباً خدا کے اسی شان استغنا۔ اور تاریخ کے اسی ہنگامی دور کا حصہ ہے۔ دعوت و عزیمت کی تاریخ میں سینکڑوں مردان کار اور شہیدان وفا کے نام محفوظ ہیں' ضرورت ہے کہ دینی جدوجہد اور شہادت و قربانی کی یہ تاریخ نہایت جلی حرفوں میں امت کے سامنے پیش کی جائے' ہم اپنی کامیابیوں کی داستان بہت بار لکھ چکے' ذرا اپنی ناکامیوں کی بھی ایک فہرست تیار کریں' ہمارے دور شباب پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے جا چکے' ذرا اپنے دور زوال کی بھی کچھ تصاویر تیار کریں' ہم نے تاریخ کے لمبے عرصے تک دنیا کو اخلاقیات اور اقدار عالیہ کا درس دیا ہے' ہم خود کتنے عرصے سے اخلاقی درس کے محتاج ہیں کچھ اس کا بھی جائزہ لیں۔ اور ہماری ہزار سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ ہم دنیا کی صف اول کے لوگ تھے۔ صف اول سے

خف آخر میں ہم کیسے پہونچے اس کے اسباب کا پتہ چلائیں۔ جب ہندوستان میں ملت اسلامیہ کا سیاسی ادبار شروع ہوا تو حضرت شاہ ولی اللہ نے نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملت کی اس گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر تقدیر غالب رہی اور اسلامی ہند کے سیاسی اقبال کا خاتمہ ہوگیا۔ ہندوستان کا اسلامی تشخص جب یورپ کی تہذیبی یلغار کا نشانہ بنا تو حضرت شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، مولانا عبدالحئی اور ان کے رفقاء نے اس تہذیبی یلغار کو روکنے کی بہت کوششیں کیں یہاں تک کہ حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے اس تہذیبی ارتداد کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے اپنا خون شہادت بھی پیش کیا' مگر یہ آگ ٹھنڈی نہیں کی جاسکی اور معرفت وحقانیت کا یہ قافلہ بالآخر تاریخ کا حصہ بن گیا اور امارت اسلامیہ کا سارا خواب بکھر کر رہ گیا' نواب سراج الدولہ نے آگے بڑھ کر اس فتنہ کو روکنا چاہا' مگر فتنہ نہیں رکا' اور خود اس مرد بہادر کو راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا گیا' سلطان ٹیپو نے اسلامی ہند کے منارۂ عظمت کی تعمیر نو کا پروگرام بنایا، سرزمین ہند کو نصرانیوں سے پاک کرنے کا منصوبہ تیار کیا' اور انہوں نے اس کے لئے عظیم بہادروں کی طرح لڑتے ہوئے جان دے دی لیکن ان کا نذرانۂ جان بھی مقصد کے حصول کے لئے ناکافی رہا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت حافظ ضامن شہید کا قافلۂ عزم وایثار آگے بڑھا' تھانہ بھون میں ایک چھوٹی سی امارت اسلامیہ قائم ہوئی۔ شاملی کی جنگ لڑی گئی مگر اس کاروانِ قدس کی تمام تر کوششوں کے باوجود لال قلعہ کی شوکت' اور قطب مینار کی عظمت بچائی نہیں جاسکی' اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی بساط بالکلیہ الٹ دی گئی۔ مصر میں حسن البنا، کی قیادت میں اخوان المسلمین کی جماعت آگے بڑھی' اور اسلامی تہذیب وتمدن' اور دینی اخلاق واقدار کے عالمی زوال کو دور کرنے کی کوششیں کیں' اور یورپ کے تشکیکی طلسمات کا پردہ چاک کرنے کے لئے کمر ہمت باندھا' لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ حسن البنا، سید قطب اور سینکڑوں اخوانی علماء تختۂ

دار پر چڑھا دئے گئے' اور بالآخر یہ کارواں بھی بکھر کر رہ گیا' ترکی کی خلافت' مسلمانوں کی خلافت الٰہیہ کا آخری چراغ تھی' جس سے پورے عالم اسلام کی آبرو قائم تھی' اور جو ملت اسلامیہ کے اتحاد اور قوت کی علامت سمجھی جاتی تھی اس کے تحفظ و بقا کے لئے پوری دنیا کے حساس مسلمانوں نے اپنا آخری قطرہ خون بھی نچوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن اتحاد اسلامی کی اس آخری یادگار کو بچایا نہ جاسکا اور عیار دشمنوں کی چالاکی سے یہ قبائے خلافت بالآخر تار تار کردی گئی۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

حضرت شیخ الہند نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے احیاء کے لئے ریشمی رومال تحریک چلائی' جس کو برصغیر میں احیاء اسلامی کی آخری بڑی تحریک کہا جاسکتا ہے' لیکن چند نادان دوستوں کی نادانی اور عیار مہربانوں کی مہربانی سے یہ تحریک بھی اپنے آخری انجام کو پہونچ گئی تحریک کے تار و پود بکھر گئے۔ شیخ الہند سمیت کئی ارکان تحریک گرفتار کر لئے گئے' اور جو بچ گئے وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

غرض یہ سخت جان ملت صدیوں سے زخموں پہ زخم کھا رہی ہے اور صدموں پہ صدمے سہہ رہی ہے۔ اس کی ساری آب و تاب رخصت ہو چکی ہے' ایک جان ہے وہ بھی دشمنوں کی نگاہ میں ہے' آج افغانستان' فلسطین' عراق' پاکستان، ہندوستان اور دیگر ملکوں میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ سب اسی دور زوال کی بقیات اور اسی سلسلہ شہادت و ایثار کی خون آلود کڑیاں ہیں۔ یہ تحریکیں' یہ دینی اور سیاسی مساعی ایمان کا تقاضا اور فطرت و وقت کی پکار ہیں۔ ہر دور کی طرح اس دور میں بھی جانبازوں اور سرفروشوں کا قافلہ اپنی کوششیں جاری رکھے ہوا ہے۔ مگر ان کو بھی اپنے پیشروؤں کی طرح اسی منزل پر پہونچنا ہے' جو اس دور زوال کے مجاہدین کی آخری آرامگاہ ہے۔ یہ امید کیوں قائم کر لی جائے کہ یہ تحریکیں دور زوال کی روایت کے خلاف' کامیابی سے یقیناً ہم کنار ہو جائیں گی۔ اور سیاسی اور فوجی طور پر ان کوئی

الواقع وہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے' جو ان کے منشور کا بنیادی حصہ ہیں۔۔۔ کیونکہ۔۔۔
اگر تقدس کی بنیاد پر کامیابی ملتی تو حضرت سید احمد شہیدؒ کو ملتی' اور سرحد میں ان کی اسلامی
حکومت کبھی زوال پذیر نہ ہوتی' اور اگر علم و حکمت کی وجہ سے کامرانی مل سکتی تھی تو حضرت
حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کامیاب ہو جاتے' اور یوں بے
بسی کے ساتھ ان کا کارواں منتشر نہ ہوتا' اور اگر شجاعت و ہمت کی بنا پر کوئی جماعت کامیاب
ہو سکتی تو سلطان ٹیپوؒ کا خواب ضرور پورا ہوتا۔ اور سرنگا پٹنم میں وہ ظالمانہ طور پر شہید نہ کئے
جاتے' اور اگر موقعہ پرستانہ سیاست کے ذریعہ کامیابی ملتی تو نظام حیدر آباد کا تختہ حکومت کبھی
نہ پلٹا جاتا اور دکن کی مسلم حکومت کا نام و نشان مٹنے سے محفوظ رہتا۔

## یہ معنوی فتوحات کا دور ہے''

دراصل آج کی کامیابی غنیمت اور دنیوی فتوحات کی نہیں بلکہ شہادت اور اخروی
فتوحات کی ہے' آج کام کامیابی کے لئے نہیں بلکہ تقاضائے ایمان کے لئے کیا جانا چاہئے
اور اسی میں ہمارے لئے عافیت ہے' اس لئے کہ مادی غنائم اور دنیوی فتوحات جس ذمہ
دارانہ صلاحیت کی طلبگار ہے اس سے ہماری ملت کا غالب طبقہ محروم ہے علاوہ ازیں ان
تقاضوں کی تکمیل ایک بڑی آزمائش ہے۔ اور آج کے دور میں دولت اور مادی فتوحات پانے
کے بعد اپنے جذبات پہ قابو پانا آسان نہیں ہے' ہماری فتوحات کے دور میں اس کو فتنہ سراء
یا فتنہ نعمت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور احادیث گذر چکی ہیں کہ فتنہ سراء کا مقابلہ کرنا ہر ایک کے
بس کی بات نہیں ہے جب کہ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں یہ ہمارے لئے مصائب اور
بلیات کا دور ہے' ہم فتنہ ضراء یا فتنہ مصیبت سے دوچار ہیں ایمان کی اگر کچھ بھی حرارت
ہمارے اندر موجود ہو' تو ہم اس کی مدد سے اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں' اور ہمیں کچھ ملے نہ
ملے ہمیں معنوی شہادت اور آخرت کی کامیابی ضرور مل سکتی ہے' اور ہمارا کچھ بچ سکے یا نہ بچ
سکے ہمارا ایمان بالیقین محفوظ رہ سکتا ہے' اس طرح یہ گھبرانے اور دل گرفتہ ہونے کا مقام نہیں

بلکہ اللہ کا شکر گزار ہونے کا موقع ہے کہ اس نے ہم کمزوروں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا امتحان تو لیا لیکن ایمان کے امتحان سے محفوظ رکھا مصائب کی وجہ سے آئینہ دل ٹوٹ رہا ہے تو ٹوٹنے دیجئے آئینہ ساز کو آپ کا یہی ٹوٹا ہوا آئینہ زیادہ پسند ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ

جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

اللہ تیرے ہر عمل میں خیر ہے تیرے فیصلوں کی حکمتیں ہم کیا جان سکتے ہیں بس اتنی درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی آزمائشوں سے بچا جن میں ہم اپنا ایمان سلامت نہ رکھ سکیں اور ایسے حالات پیدا فرما جن میں ہم تیرا اور تیرے نبی کا پوری آزادی کے ساتھ نام لے سکیں اور تیرے رسول کی لائی ہوئی شریعت پر پوری استقامت و اخلاص کے ساتھ عمل کر سکیں۔ اے خدا ہمیں اس لائق بنا کہ آپ کے پیارے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین مبین کی ہماری وجہ سے رسوائی نہ ہو اور ہماری کمزوریوں کی نسبت ہمارے پاکیزہ دین کی طرف نہ کی جائے۔ اللھم آمین

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ( آل عمران ۸ )

# دولت مند غریب قوم

آج میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں ایک قوم کے حوالے سے کچھ گفتگو سپردِ قلم کروں یہ قوم بہت بڑی قوم ہے، جی ہاں! آپ اس قوم کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ دنیا میں ہر چھٹا انسان اس قوم کا فرد ہے، دنیا کی چھ ارب آبادی میں سے ایک ارب تیس کروڑ کے لگ بھگ لوگ اسی قوم سے وابستہ ہیں، ایشیاء ہو یا افریقہ، انڈیا ہو یا پاکستان، امریکہ ہو یا روس یہ قوم ہر جگہ موجود ہے۔

یہ قوم دنیا کے دو براعظموں میں کثرت سے ہے۔ ۸۵ کروڑ افراد ایشیا میں رہائش پذیر ہیں اور ۳۲ کروڑ افریقہ کے شہری ہیں ملکوں کے لحاظ سے دیکھیں تو ۲۸ کروڑ انڈین شہریت سے منسلک ۱۵ کروڑ کے قریب پاکستان میں اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں، چین میں اس قوم کے ۹ کروڑ افراد آباد ہیں، روس میں اس قوم کے افراد کی آبادی ۵ کروڑ سے متجاوز ہورہی ہے اور قریباً ایک کروڑ ستر لاکھ امریکن نیشنیلٹی کے حامل ہیں، تو ذہن میں آتا ہے کہ یہ تو بہت بڑی قوم ہوئی اس قوم کی بہت بڑی قوت ہوگی، لوگ اس کے اشاروں پر چلتے ہوں گے ان کا رعب بڑے بڑوں کے پتے پانی کردیتا ہوگا، بادشاہ اور حکمران اس قوم کی دہلیز پر سر رگڑنا شان تکریم سمجھتے ہوں گے......

لیکن افسوس کوئی اس قوم کی بات نہیں مانتا سب منواتے ہیں، کوئی اس کا موقف نہیں سنتا سب سناتے ہیں کوئی اس کی انگلیوں پر نہیں ناچتا سب نچواتے ہیں کوئی اس کے رعب میں نہیں آتا سب اپنا رعب اس پر جھاڑتے ہیں کوئی حکومت اس کی چوکھٹ پر نہیں جھکتی سبھی اس قوم کو

جھکاتے ہیں، ایک اور بات ذہن میں آرہی ہے کہ اس قوم کی پستی ضرور غربت کی وجہ سے ہوگی اگر اس کے پاس بینک بیلنس، کھنکھنے نوٹ چمکتی دمکتی گاڑیاں اور اڑان بھرنے والے جہاز ہوتے تو بھی ان کی بات مانتے لیکن افسوس میری اس توجیہ نے بھی مجھے مطمئن نہیں کیا، اس قوم کے پاس وہ کچھ ہے جو کسی کے پاس نہیں تیل ہو یا گیس پیٹرولیم ہو یا ان جیسے دیگر معدنی ذخائر اکثر اس قوم کی ملکیت میں ہیں، سب سے مہنگی کرنسی کا حامل ملک بھی اسی قوم کا ہے۔ جس کے ایک دینار کی قیمت ۱۵۰ روپے سے زائد ہے، اسی قوم کا ایک ملک سعودی عرب کہلاتا ہے کسی زمانے میں اس کے پاس اتنی دولت تھی کہ عالمی طاقتوں کو دنوں میں خرید سکتا تھا تمام کمپنیوں کو اپنے ماتحت لاسکتا تھا، اسی قوم کا ایک بہت بڑا ملک برونائی کے نام سے مشہور ہے شہرت کی طرح اس کی امارت بھی آسمان کو چھوتی ہے، دنیا کے امیر ترین ممالک میں اس کا بھی نام ہے، ایک تجزیہ کے مطابق اس ملک کے بادشاہ کی آمدنی ہر گھنٹے میں ۱۳۵۰۰۰ پونڈ یعنی موجودہ قیمت کے مطابق تقریبا ۱۰۹۳۵۰۰۰ روپے ہے اس بادشاہ نے اپنی آرام پسند اور عیش وعشرت کیلئے ایک بہت بڑا محل بھی بنوایا ہے جو دنیا کا سب سے وسیع ترین محل ہے، ۱۷۷۸ کمروں پر مشتمل اس محل میں ۱۳۰۰۰ افراد کی مہمان نوازی کیلئے ایک حال تعمیر کیا گیا ہے، جس میں ۵۶۴ فانوس رات تو رات دن کو بھی جگمگاتے ہیں اس ملک کے سلطان نے اس محل سے دور ایک اور محل بنوایا ہے جس میں سستی دور کرنے کیلئے پانچ تالاب ہیں۔ جن میں نیلگوں پانی ہمیشہ فواروں کی مانند چھلکتا اور اچھلتا رہتا ہے لندن میں اس بادشاہ کا ایک ہوٹل بھی ہے اس کے علاوہ سات بنگلے اور ہیں برونائی میں سلطان کی حجامت بنانے کے لیے لندن سے خصوصی طیارے پر ایک حجام منگوایا جاتا ہے، جو سلطان کے بالوں کی تراش خراش کرتا ہے یہ بادشاہ اپنی پیدائش کا دن منانے کیلئے ایک وسیع دعوت کا اہتمام کرتا ہے، جس میں ملک بھر کے عمائدین مرغن غذاؤں چکن روسٹوں اور چائینیز کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اسی قوم کا ایک ملک پاکستان بھی ہے، جس میں ہر سال اپریل، پھول بسنت اور ویلنٹائن ڈے جیسی غیر قومی رسومات پر ایک تجزیہ کے مطابق تقریباً ڈیڑھ ارب روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، عید، نیا سال اور شادی کے موقعہ پر اسی ملک میں ہر سال اوسطاً پانچ ارب روپے کے لگ بھگ رقم خرچ ہوتی ہے۔

اس قوم کی تاریخ بہت وسیع ہے اس قوم کے رہبر و رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انھوں نے اپنی سیرت کے ذریعہ انھیں ہر ضابطہ مہیا کیا مگر یہ قوم اس پر چلتی نہیں۔

اس قوم کی ابتدا کے لوگ تو بڑے بہادر تھے خون کے دریاؤں میں تیرنے پہاڑوں کو چیرنے کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہ چلتے تھے تو زمین کا سینہ دہل جاتا تھا وہ رکتے تو کوہ گراں ہوتے کڑکتی بجلیوں اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا عزم ان کی زندگیوں میں شامل تھا، سیلاب کی طرح بڑھنے اور موجوں کی طرح کرۂ ارض پر پھیلنے کا ولولہ ان کی ثانوی فطرت تھی طاقت، جاہ و جلال اور مال و متاع کو وہ پاؤں کی ٹھوکروں سے اڑا دیا کرتے تھے آج یہ قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے۔ اسی لیے یہ قوم اب کمزور ہے، محتاج ہے مظلوم ہے اور ذلت و نامرادی کی دلدل میں ڈوبی جارہی ہے، اس کی سربلندی کا اب بھی وہی راستہ ہے جس پر پہلے والوں نے چل کر سرفرازی حاصل کی تھی، جب یہ قوم اللہ سے رشتہ جوڑے گی جب دین اور اسلام کو پسند کرے گی، جب بے حیائی اور فحاشی کے آلات کو گھروں سے نکالے گی جب یہ مخملی بچھونوں پر سونے کے بجائے کھجور کی چارپائی کو ترجیح دے گی، جب یہ بنگلوں اور پلازوں کی بجائے خس و خاشاک سے بنی جھونپڑیوں کو باعث افتخار جانے گی اس وقت اس کو عزت و عروج بھی مل جائے گا اور حکومت و بادشاہت بھی، جی ہاں! یہ ہے اپنی مسلمان قوم۔ (بشکریہ ادارہ)

☆.........☆.........☆

# تبت میں اسلام

تبت سطح سمندر سے 5400 میٹر بلندی پر واقع ہے اس لیے یہ دنیا کا بلند ترین علاقہ کہلاتا ہے۔تبت میں اسلام شمال اور مغرب سے پہنچا۔اسی طرح ساتویں صدی میں اسلام عرب سے براہ ایران اور افغانستان ،چین میں پہنچا۔وہاں سے یہ مشرقی تبت میں پھیلا چینی مسلمان جو (Hui) کے نام سے جانے جاتے ہیں Suing میں قیام پذیر ہوئے اور کوکنور منطقہ سے مشرقی تبت میں داخل ہوئے اور وہاں سے انھوں نے وسطی تبت سے تجارت شروع کی۔اگر چہ کہ ان میں سے بہت تاجروں نے تبت میں مستقل سکونت اختیار کی (جہاں ان کی اولاد آج بھی موجود ہے) مگر ان میں سے کچھ لہاسا بھی منتقل ہوئے جہاں وہ آج بھی اپنے مذہب اور روایات پر کاربند ہیں اور Hui طبقہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

مختلف ذرائع سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تبت کے حکمرانوں نے آٹھویں اور نویں صدی میں وسط ایشیاء کے بہت بڑے خطہ کو فتح کیا تھا جبکہ ایرانی ترکی وغیرہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ کابل کے ایک حکمران نے جو دراصل تبت کے بادشاہ کا غلام تھا 812 اور 814 کے درمیان اسلام قبول کیا اور اس نے عباسی خلیفہ المامون کی اطاعت قبول کرلی۔اپنے خلوص کے اظہار کے طور پر اس نے گوتم بدھا کا سونے کا مجسمہ خلیفہ کو بطور تحفہ روانہ کیا جسے المامون نے مکہ بھیج دیا جہاں اسے پگھلا کر بنائے گیے۔نویں صدی ہی سے عربوں اور تبت والوں کے درمیان راست روابط تھے لیکن مسلمانوں نے بارہویں صدی سے مغربی اور وسطی تبت میں قیام پذیر ہونا شروع کیا۔منجملہ ان کے

ترکستان، بلتستان اور کشمیر کے کچھ افراد بھی براہ لداخ مغربی تبت میں داخل ہوئے اور وہاں سے لہاسا پہنچ گیے۔ چودھویں صدی میں بلتستان میں تبدیلی مذہب کا سہرا وسطی ایشیاء کی ایک مذہبی تنظیم سے وابستہ دو مسلم اساتذہ اور سرینگر کے علی ہمدانی اور ان کے فرزند نور بخش کے سر ہے۔

آج کل لہاسا میں مسلم طبقہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو موروثی طور پر چینی ہیں اور دوسرے کشمیری، نیپالی، لداخی، سکھ یا دوسرے غیر چینی افراد، دوسرے طبقہ کے افراد کی تعداد بہت قلیل ہے جو تبت کی اصطلاح میں Kah Che کہلاتے ہیں جن کے معنی کشمیری اور مسلم کے ہیں۔ ان میں سے بعض ان تاجروں کی اولاد ہیں جو بارہویں صدی میں آئے تھے۔ چینی جو Gya Kha کہلاتے ہیں تقریباً دو ہزار کی تعداد میں ہیں۔ ان مساجد کی علاحدہ انتظامی کمیٹیاں ہیں جو حکومت سے مربوط ہیں۔ لہاسا کے تحتی عوام کی تحتی مسلمانوں نے 1959 میں چین کے قبضہ کے بعد سے بڑے مصائب برداشت کیے لیکن آج کل حالات بدل چکے ہیں اور بڑی حد تک مذہبی آزادی حاصل ہو چکی ہے۔ Hui طبقہ کے بہت سے لوگ ترکاری فروش ہیں۔ کشمیریوں کی طرح وہ حنفی مذہب کے پیرو ہیں۔ اپنا الگ امام اور دینی مدرسہ رکھتے ہیں۔ ان کا اپنا ایک قبرستان بھی ہے جو Kyagasha کہلاتا ہے اور لہاسا سے 15 کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اگرچہ کہ سترہویں صدی تک لہاسا میں مسلم تجار آباد ہو چکے تھے۔ لیکن پانچویں دلائی لاما کا دور تبت میں اسلام کے لیے نقطہ انقلاب ثابت ہوا۔ ایک روایت کے مطابق لہاسا کا ایک مسلم استاد شہر کے کنارے ایک پہاڑی پر عبادت کیا کرتا تھا جسے دلائی لاما روزانہ دیکھا کرتا تھا۔ دلائی لاما نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ ملاقات میں ٹیچر نے اسے بتایا کہ وہ اپنے مذہبی احکام کے مطابق عبادت کیا کرتا ہے اور پہاڑی پر اس لیے عبادت کرتا ہے کہ اس علاقہ میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ اس کے عقیدہ سے متاثر ہو کر دلائی لاما نے ایک شخص کو تیر کمان

دے کر اس کے ساتھ پہاڑی تک بھیجا اور کہا کہ وہ وہاں سے چاروں سمت تیر مارے جس جگہ سے تیر چلائے گئے وہاں ایک مکان بنایا گیا اور چاروں سمتوں تیر جہاں تک پہنچے تھے اتنی جگہ مسلمانوں کو دیدی گئی۔ وہاں لہاسا کی پہلی مسجد بھی بنی اور قبرستان بھی قائم ہوا۔ پانچویں دلائی لامانے کشمیری الاصل مسلمانوں کو زیادہ سہولتیں مہیا کیں۔ وہاں کے اولین قابضین میں سے ۳۰ معمر اور ۳۰ نوجوان افراد کی سرکاری طور پر سرپرستی کی گئی۔ لہاسا کے مسلمانوں سے اس کی ہمدردی کی وجہ وہ پالیسی ہے جو تبت میں انسانی، تہذیبی اور معاشی بنیادوں پر اختیار کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو اپنے قانونی مسائل کو شرع اسلامی کے مطابق حل کر لینے کی اجازت بھی دی گئی اور ساتھ ساتھ بغیر ٹیکس ادا کیے تجارت کرنے کی سہولت بھی دی گئی۔

پانچویں دلائی لاما کی عطا کردہ اراضی آج کل "مسلم پارک" کہلاتی ہے۔ کشمیری مسلمان اسے بطور تفریحی مقام اور ادائی رسومات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آج کل چھوٹی مسجد کے قریب ہی ایک تختی وغیرہ کی کمان بھی بنادی گئی ہے۔ کشمیری مسجد یا چھوٹی مسجد لہاسا کے وسط میں تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی تعمیر سے قبل کشمیری مسلمان ایک دوسری مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ جو جمعہ مسجد کہلاتی ہے۔ مسلم طبقہ کے کئی افراد ہر جمعہ کو میلوں دور سے نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے یہاں آتے ہیں اور بعد نماز سب باہم مل کر روایتی انداز کے طور پر تناول طعام کرتے ہیں بچی ہوئی غذا کو بطور تبرک اپنے ساتھ لے جا کر ان افراد کو دیتے ہیں جو شرکت نہ کر سکے تھے۔ آج کل چھوٹی مسجد ہی کشمیری مسلمانوں کی عبادت کا مرکز ہے اس کے متصل پارک کی اراضی عیدین کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے اور اس سے قریب ہی ان کے امام کی رہائش گاہ ہے۔

تبت کے عوام کو وہاں رہنے والے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ تبت میں پانچویں دلائی لامانے حصول معاش کے لیے بہت سے ذرائع اور سہولتیں عطا کیں جن کی بدولت مغرب سے مسلم تجار بہت سی اشیاء لانے لگے جو تبت کے عوام

کے لیے ضروری ہیں جیسے زعفران، خشک میوے، شکر اور کپڑے اور واپسی میں وہ اپنے ساتھ اون، مشک، چائے، شالیں، نمک، سونا اور چینی فیروزہ رنگ لے جانے لگے۔ ساتھ ساتھ منگولوں کی روایت کے مطابق یہاں کے جانور یاک کی کھال بھی لے جاتے ہیں۔ چند مسلم تجار نے تبت سے باہر بھی اپنی سکونت اختیار کی لیکن اکثریت نے تبت میں قیام کرنا پسند کیا اور وہاں کے مسلم طبقوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے حتی کہ انھوں نے وہاں کی عورتوں سے ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے جنھوں نے بدھ مت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

لہاسا کی قدیم ترین مسجد وہی ہے جو پانچویں دلائی لاما کی عطا کردہ اراضی پر سترہویں صدی میں بنائی گئی تھی۔ اس مسجد کے امام جناب حبیب اللہ بٹ ہیں جو پیشہ سے درزی ہیں۔ مقامی مسلم برادری کا خیال ہے کہ پانچویں دلائی لاما کی عطا کردہ اراضی شہر بلکہ سارے ملک کی اکثریت بدھ مت کے پیروؤں کے ساتھ پرامن بقائے باہم کی ایک ابتداء تھی۔ جناب حبیب اللہ بٹ کے فرزند عبدالحلیم بھی اپنے والد کی طرح مسجد وغیرہ کی حفاظت کا کام انجام دیتے ہیں اور قبرستان کی ذمہ داری بھی انھیں کے ذمہ ہے۔

لہاسا میں جملہ تین مساجد ہیں اور بازہ مسجد سے منسلک اسلامی مدرسہ بھی ہے جہاں تبتی مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں آنے والے مسلم بچوں کی تعداد کا قطعی اندازہ تو نہیں ہو سکا لیکن ایک اندازے کے مطابق یہاں طالب علموں کی تعداد کئی سو سے زیادہ ہے۔

تبت کے عام مسلمان جوان دنوں غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں زیادہ تر نان، نوڈلس، گوشت اور دیگر غذائی اجناس فروخت کر کے اپنی گزر بسر کا سامان کرتے ہیں۔ بدھ ازم کے ماننے والے اور خاص طور پر آج کی بدھ نوجوان نسل تبت میں اسلام اور مسلمانوں کی موجودگی سے تو واقف ہے لیکن وہ لوگ اسلامی روایات اور اسلامی طریقوں عبادات وغیرہ سے واقف نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بدھ مت کے علاوہ زندگی کے معاملات میں اس قدر الجھے

ہوئے ہیں کہ انھیں دیگر مذاہب وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی نہ تو ضرورت محسوس ہوئی اور نہ توفیق۔

تبت کے اصل مارکیٹ میں جو بڑی مسجد ہے اسے جامع مسجد تبت کا بھی نام دیا گیا ہے۔ اسی سے مربوط تبت کا واحد اسلامی مدرسہ بھی ہے۔ یہیں پر انتہائی منظم انداز سے مسلم بچوں کو اسلامی تعلیمات فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

تبت میں مسلم گھرانوں کی خواتین بھی حتی المقدور تجارت وغیرہ کرتی ہیں اور وہ اپنے گھروں کے بعض کمروں میں روایتی غذائی اشیاء وغیرہ کی فروخت کرتی ہیں جبکہ بعض خواتین نے ہوٹلس وغیرہ بھی قائم کرر کھے ہیں۔ جہاں پر گاہکوں کو کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ بعض مقامی ڈشیں بھی فراہم کی جاتی ہیں چند ہوٹلوں میں گاہکوں کے لیے ٹی وی سیٹ اور آڈیو سیٹ وغیرہ کی بھی سہولت فراہم کی گئی ہے جہاں لوگ فرصت کے لمحات گزارتے ہیں۔

بعض دوکانوں پر مقامی زبان میں بورڈ آویزاں کیے جانے کے علاوہ اسلامی طرز پر چاند تارے اتارے گیے ہیں اور ان پر یا تو کلمہ طیبہ تحریر ہے یا پھر" السلام" تحریر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ دوکان کسی مسلمان کی ہے۔

جامع مسجد تبت کی طرز تعمیر بھی اپنی جگہ ایک مثال ہے۔ اس میں چینی اور تبتی طرز تعمیر کی جھلک ملتی ہے، جبکہ دوسری دو مساجد کا طرز تعمیر اس سے قدرے مختلف ہے اور اسے خالصتاً تبتی طرز قرار دیا جا سکتا ہے۔ تبتی مسلمانوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ خیال کیا جارہا ہے کہ یہاں پر آنے والے برسوں میں، بیشتر یوروپی اور مغربی ممالک کی طرح، اسلام الحمد اللہ بہت ترقی کرے گا اور یہاں بھی دوسرے مسلم ممالک کی طرح مساجد کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ

☆..........☆..........☆

# اسلام امریکہ کا اگلا مذہب؟

امریکہ میں ویسٹرن مینارٹ بے خانما عیسائیوں کی پہلی آماجگاہ تھا اب امریکہ کی موجودہ فضا میں کون سا مذہب فٹ ہو رہا ہے؟ شاید اسلام ہی اس کا جواب ہو۔ امریکی اپنے ملک کو برائے نام عیسائی ملک ہی گردانتے ہیں لیکن اب افق پر ایک نیا مذہب رونما ہو رہا ہے جو موجودہ ماحول سے بہت اچھی طرح منطبق ہے۔ یہ مذہب اسلام ہے۔ اسلام ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تیسرا سب سے بڑا اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ مائگریشن کا نتیجہ ہو۔ امریکہ کے ۶۰ لاکھ مسلمانوں میں اکثریت ان کی ہے جو وہیں پیدا ہوئے ہیں اس طرح کے اعداد و شمار سے بنیادی امریکی اقدار اور مسلم عقائد کے درمیان ہم آہنگی و یکسانیت جھلکتی ہے۔ وہ امریکی جو عام فرسودہ خیالات سے ہٹ کر اسلام کی حقانیت کو سمجھنا چاہتے ہیں انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان میں اور اسلام میں کتنی مشابہت ہے۔ کیا امریکہ ایک مسلم ملک ہے؟ سات اسباب کے باعث اس کا جواب ہاں میں ہو سکتا ہے۔ اسلام میں توحید کی تعلیم ہے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کا معبود ایک ہی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ کا احترام کرتے ہیں۔ یہودی و نصرانی روایت کا نظریہ امریکہ میں بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں سامنے آیا۔

اب ایک ملک و قوم کی حیثیت سے ہم جامع ابراہیمی نظریہ سے آگے جا رہے ہیں۔ جنوری میں صدر بش نے اپنے افتتاحیہ بیان میں چرچوں اور سیناگاگ (یہودی عبادت گاہ) کے ساتھ

مسجدوں کا بھی تذکرہ کیا۔ کچھ دنوں بعد جب انھوں نے درجنوں مذہبی شخصیات کے ساتھ تصویر کھنچوائیں اور نیچ کاؤنٹی (کیلفیورنیا) کے شیعہ امام محمد قزوینی بش کے بالکل پیچھے اس طرح ایستادہ نظر آرہے تھے جیسے جبہ ودستار میں ملبوس کوئی فرشتہ ہو۔ قرآن جو کہ اسلامی قانون کی اصل بنیاد ہے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ مذکورہ مشورہ سے معاملات کا فیصلہ کریں۔ مساجد میں کسی قسم کی کوئی مذہبی درجہ بندی نہیں ہے اسلام میں ہر فرد اپنے نفس کی صورت حال کا ذمہ دار ہے اللہ کی نظر میں ہر کوئی برابر کی حیثیت کا حامل ہے۔ امریکہ کے لوگوں کے لیے جو عام طور پر اسلامی حکومت سے چند ظالموں کی حکومت مراد لیتے ہیں یہ آزاد اسپرٹ حیران کن ہوگی اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ قابض ڈکیٹرز اسلامی اصولوں کا نتیجہ نہیں ہیں۔ وہ لوگ عالمی اقتصادیات اور یوروپی استعمار کے مابعد حالات کی پیداوار ہیں دریں اثنا سب کی طرح پوری دنیا کے مسلمان بھی چاہتے ہیں انھیں بھی اپنے ملک میں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے۔ امریکہ میں رہنے والے مسلمان درحقیقت اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس طرح امریکہ عرب کے اکثر ممالک کے مقابلے میں اسلامی روح کے زیادہ قریب ہے۔ اسلام ایک دلچسپ تصوفی روایت رکھتا ہے تصوف کی بنیاد فرد کی تلاش حق ہے فردیت کا یہ خاصہ امریکہ کے علاوہ اور کہاں ہے جو فردیت پسند اور روحانیت جوؤں کی سرزمین ہے۔ صدیوں پر مشتمل پیر ومرید کی اسلامی خصوصیات کی روایت سے امریکہ سے زیادہ کون مفید ہو سکتا ہے؟ شاید آپ کو یہ جان کر تعجب ہو کہ امریکہ میں سب سے زیادہ بکنے والے شاعر دو ہیں جن میں (Du Jour) ایک مسلمان صوفی ہیں جن کا نام رومی ہے جو ایران میں مولوی راہ کے بانی ہیں اور مغربی ملک Whirling Dervishes (گھومنے والے درویش) کے نام سے مشہور ہیں حتی کہ اب بہت سے مطابع ان کی کتابوں کو شائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ عام لوگوں کی مطابقت پا کر نفع کما سکیں۔ روبرٹ بلی، کولمین بارکس، کبیر کامل ہلمنسکی جیسی شخصیات کے مترجمین نے رومی کے اشعار پر مبنی

درجنوں کتابیں لکھی ہیں اور ابھی تو انگریزی داں طبقہ نے ان کی عظیم تحریروں کی جھلک ہی دیکھی ہے۔ ان کی شاعری طمانیت کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے یہاں صدیوں پر محیط بصائر اور استعارات کی جھلکیاں جسمانی حقائق اور محبت الٰہی میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسلام مساوات پسند مذہب ہے۔ نیویارک سے کیلفیورنیا تک آج نظام الاوقات سے منضبط عبادت گاہیں صرف مسجدیں ہیں جن کی تعداد تقریباً ۴ ہزار ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد مساوات پر ہے۔ خاص طور سے اللہ کی عبادت کے وقت میثاق اطاعت Pledge of Allegiance یعنی خدا کے تحت ایک قوم اور لنکن کی گیٹیس برگ کا خطاب (جس میں انھوں نے کہا تھا کہ تمام لوگ برابر پیدا کیے گیے ہیں) اسلام کے بنیادی عقیدے کا جزء ہیں۔ اکثر و بیشتر اسلام کو نظریہ جہاد کی وجہ سے ایک جارح مذہب کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ جہاد کی اصطلاح کے سلسلے میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ چاہتا ہے دنیا میں انصاف کی حکمرانی ہو اور مسلمان اس لیے سرگرم ہوتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سارے لوگ اللہ کے سامنے ایک ہیں یہی دو ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے افریقین امریکیوں کی ایک بڑی تعداد اسلام سے قریب ہوئی ہے۔ افریقین امریکیوں کی تعداد جملہ امریکی مسلمانوں میں ایک تہائی ہے۔ اسلام کا نظریہ مساوات مرد و عورت کے تعلقات میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت اپنے زمانے کے ایک مصلح تھے۔

قرآن کے ساتھ انھوں نے بھی مرد کے ساتھ جائز بیویوں کی تعداد محدود کردی اور تعدد ازدواج کے خلاف سخت سفارش کیں۔ قرآن نے شادی سے متعلق قوانین وضع کیے جن سے شادی شدہ عورت کے لیے خاندانی نام، حق ملکیت وسرمایہ، شادی کے سلسلے میں اس کی رضامندی اور طلاق لینے کے لیے حق کی ضمانت ملتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی ادوار میں عورتیں پیشہ ور اور جائداد کی مالک تھیں جس طرح کہ آج بھی ان کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ ثقافتی

نہجوں کی وجہ سے اکثر امریکیوں کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا جو کبھی کبھی عورتوں کے تئیں
خالصانہ مذہب دکھائی دیتا ہے لیکن اگر کوئی ذرا قریب آ کر دیکھے تو معلوم ہوگا کہ قرآن پاک میں
محفوظ مساواتی خطوط معاصر اصطلاح کا روپ لیے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایران میں
مردوں سے زیادہ عورتیں یونیورسٹی جاتی ہیں اور حالیہ مقامی انتخابات میں عوامی آفسوں کی ۵
ہزار عورتوں نے حصہ لیا۔ اسلام امریکہ کے غذائی طہارت ونظافت کے نئے مفاد میں اس کا
شریک ہے۔ مسلمان رمضان کے مہینے میں روزہ رکھتے ہیں بہت سے امریکی اس عبادت کی
تعریف کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس سال رمضان میں ایک غیر مسلم
دوست کے ساتھ مجھے تھوڑا سا وقت گزارنے کا موقع ملا ایک ماوی انسانی صارفیت کے سالانہ
کنٹرول کی مشق کے بعد میرے دوست نے مجھے جنوری میں بتایا" وہ اپنا الگ رمضان منا رہا
ہے" اس نے مزید وضاحت کی" میں کم از کم ایک ماہ نہ شراب پیتا ہوں نہ سگریٹ پیتا ہوں اور
کافی بھی چھوڑ رہا ہوں" اپنے اس دوست کی عام کافی کی عادت کے بموجب مجھے اپنے کانوں پر
یقین نہیں آ رہا ہے۔ مسلمان بھی غذائی قوانین پر عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے
گوشت وہ نہیں کھاتے۔ یہ قوانین اس بات کی متقاضی ہیں کہ حلال گوشت اس طرح تیار کیا گیا
ہو جس سے صفائی اور جانوروں کے ساتھ انسانی برتاؤ کا خیال رکھا گیا ہو۔ یہ قوانین اس کے
رجحانات کے حامل ہیں جن کی بدولت گوشت بہت مقبول ہوگیا ہے اسلام دیگر مذاہب وعقائد
کے تئیں بہت روادار ہے امریکہ کی طرح اسلام کی بھی دیگر مذاہب کے احترام کی ایک تاریخ
ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نصاریٰ صائبین اور یہود کو مسلمانوں کی سرزمین
میں اپنی عدالت قائم کرنے کا حق اور خاصی خودمختاری حاصل تھی۔ جوں جوں اسلام شمال
ومشرق میں ہندوچین تک پھیلتا گیا اس کا تعلق زرتشت ہندوازم اور بودھ ازم سے ہوا اور جیسے
جیسے اسلام شمال ومغرب میں پھیلا خاص طور پر یہودیت کو کافی فائدہ ہوا۔ صدیوں کی بے خانگی

کے بعد یہودیوں کو یروشلم واپسی کا اس وقت موقع ملا جب مسلمانوں نے شہر پر 638 میں قبضہ کیا مسلمانوں نے وہاں پہلا کام یہ کیا کہ ہیکل سلیمانی کی حفاظت کی جو اس وقت گندگی کا ڈھیر بن گیا تھا۔ آج اسرائیل اور فلسطین کے مابین طویل اختلافات میں شدید مذہبی بازگشت پائی جاتی ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ یہ زمین کی جنگ ہے دو مذاہب کی نہیں۔ اسلام اور یہودیت حضرت ابراہیم تک تمام پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں۔ اس جذبے کو گولیوں اور سنگینوں سے بدلا نہیں جا سکتا۔ نیویارک ٹائمز کی حالیہ رپورٹ کے مطابق جبکہ کبھی جامعات کے احاطوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی عروج پر رہا کرتی تھی بعد میں یہی طلباء تعلقات پیدا کرنے کے راستے ڈھونڈنے لگے۔ یہودیت و اسلام ایک ہی غذائی قانون کے تابع ہیں دونوں کا طریقہ ذبح ایک ہے اور دونوں مذاہب میں خنزیر حرام ہے اس موسم خزاں کے موقع پر ڈارٹ ماؤتھ آبشار پر پہلا کوشر حلال ڈائننگ ہال کھلنے والا ہے یہی نہیں بلکہ قریب میں ایک فارم میں ربی اور امام کے ہاتھوں ذبح شدہ چڑیوں کے مشترکہ شکرانہ عشائیہ کا منصوبہ بن رہا ہے۔

اسلام مذہبی آزادی کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ یلی ماؤتھ روک پر بسنے والے مہاجرین دنیا میں مذہبی مہارت کی پہلی کہانی نہیں ہیں۔

622 میں ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینکڑوں ساتھیوں کے ساتھ مذہبی ظلم و ستم کی وجہ سے مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکے تھے مکہ سے شمال میں چند میل دوری پر مدینہ کے نخلستان میں جا کر انھیں پناہ ملی جہاں انھوں نے اس مذہب پر مبنی معاشرہ کی بنیاد ڈالی جس کو وہ خفیہ طور پر بھی اپنے ملک میں نہیں مان سکتے ہیں۔ لہذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آج بھی بہت سے مسلمان کشمیر، بوسنیا اور کوسوو غیرہ سے ظلم و زیادتی کی وجہ سے یہاں ہجرت کر آئے ہیں جہاں ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کا عرصہ حیات تنگ تھا۔ یقینی بات ہے کہ جب بیسویں صدی کے مہاجرین کی تعداد اکٹھا کی جائے گی مسلمان ہی اس میں زیادہ ہوں گے۔

آخر کار اسلام اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک مماثلت ہے اگرچہ ان میں ایک عالمی مذہب ہے اور دوسرا مضبوط خود مختار ملک۔ دونوں فرد کی ذمہ داریوں کے متعلق روایتی طور پر بہت مضبوط ہیں۔ نیوہیمپشائر کے نعرے" آزادی سے زندگی گزارو اور مرجاؤ" کی طرح امریکہ فرد کی آزادی اور راست عمل پر مبنی اخلاقیات پر کمربستہ ہے ایک مسلم کے لیے روحانی نجات اس پر منحصر ہے۔ اس خیال کو اس کہاوت میں اچھی طرح سمیٹ دیا گیا ہے۔

اگر آپ سوچتے ہوں کہ خدا تم کو نہیں دیکھ رہا ہے پھر بھی تم یہ سمجھو کہ وہ دیکھ رہا ہے کیسے معلوم؟ اب شاید زیادہ وقت نہ گزرے کہ صلوۃ اور رمضان جیسے الفاظ ویسٹرن ڈکشنری میں جگہ پاجائیں اور مسلمان امریکہ کے قومی دھارے میں اپنا مقام بنالیں۔

☆..........☆..........☆
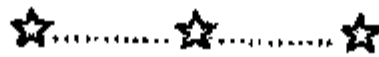
# سائنس اور ٹکنالوجی کے تناظر میں اکیسویں صدی

2000 بیسویں صدی کا آخری سال ہے۔ اس نئے سال کے آغاز سے پہلے ہی ایک دلچسپ بحث کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ اکیسویں صدی صرف 99 سال کی نہیں رہ جائے گی اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ نئی صدی کا آغاز 2001 سے مانا جانا چاہیے۔ اگر صدی کا آغاز صفر کے سال سے ہو تب تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ 99 سال کے بعد نئی صدی شروع ہوگی، مگر ایسا نہیں اس لیے 2000 کو تیسرے ہزارویں سال کی شروعات نہیں مانا جاسکتا۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ 2000 کو کمپیوٹر کی دنیا نے بہت اہمیت دی اور اسی کو اکیسویں صدی کا پہلا سال اور بیسویں صدی کے آخری سال کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ کمپیوٹر سے متعلق وائی ٹو کے کا مسئلہ تھا جس کے تحت یہ خوف پھیلا ہوا تھا کہ 2000 شروع ہونے کے ساتھ دنیا بھر میں تمام کمپیوٹروں میں سال بدلتے ہی کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوجائے گی۔

اس مسئلہ کا تعلق کمپیوٹر کے اندر سال کا اندراج صرف دو ہندسوں میں ہوا یعنی اگر کمپیوٹر میں 1998 کا اندراج کرنا ہے تو اس میں صرف 98 کا اندراج کیا جاتا ہے اور 19 اس میں پہلے سے موجود رکھا گیا یعنی کمپیوٹر میں خود بخود 1998 کا اندراج ہوجاتا ہے۔ سال کے لیے بعد کے دو ہندسوں کے اندراج کا طریقہ وقت بچانے کے لیے کیا گیا لیکن 2000 شروع ہونے کے بعد اگر کمپیوٹر میں 2000 کا اندراج کرنا ہو تو اس کے پہلے دو ہندسے صفر ہیں تو کمپیوٹر میں دو صفروں کا

اندراج کیا جائے تو اس میں 2000 کی بجائے 1900 آ جائے گا کیونکہ کمپیوٹر میں 19 پہلے سے موجود ہے۔" وائی ٹو کے" دراصل مخفف ہے وائی (یعنی انگریزی کے Year کا وائی)، (انگریزی کا دو) اور کے (کمپیوٹر کی زبان میں K کلو بمعنی ہزار) کل ملا کر" وائی ٹو کے" کا مطلب ہوا دو ہزار سال کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق تاریخ سے ہے اس لیے جہاں کہیں بھی کمپیوٹر میں تاریخ کا اندراج ہوگا وہاں تاریخ غلط ظاہر ہوگی۔ اس لیے یہ کہا گیا کہ اگر اس مسئلہ کا حل نہیں نکالا گیا تو ایک نقصان دہ اور مایوس کن منظر ہوگا۔ مثلاً جن اداروں کا تعلق وقت کی پابندی اور روپے پیسے کے حساب سے ہے جیسے بیمہ کمپنیاں، بنک، ایئر لائنز، ریلوے اور ٹرانسپورٹ ان میں سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ پاور ہاؤسوں میں بجلی بتی بند ہو جائے گی۔ اسپتالوں میں مریض مرنے لگیں گے اور ایٹمی بھٹیاں پگھلنی شروع ہو جائیں گی۔ لیکن نیا سال شروع ہونے کے بعد یہ مسئلہ اتنا سنگین ثابت نہیں ہوا جتنا ظاہر کیا گیا تھا۔ اگرچہ بیسویں صدی کے خاتمے اور اکیسویں صدی کے آغاز کا معاملہ کتنی ہی بحث میں گھرا ہوا ہو پھر بھی 2000 کے آغاز کو پہلے سے زیادہ ہی زور و شور سے منایا گیا۔

اس صدی کے گزرے ہوئے 99 سالوں میں سائنس و ٹکنالوجی کو جو فروغ حاصل ہوا اس نے انسان کو نئی سرحدوں سے روشناس کرایا اور ترقی کی نئی راہیں کھول دیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ 21 ویں صدی کے اوائل میں ہی انسانیت کو ایسے مواقع فراہم ہوں گے جو مستقبل میں اس کو اور بھی زیادہ ترغیب دینے والے ہوں گے اور پیداواری صلاحیت ماضی میں سائنس کے ریکارڈ بڑھائیں گے۔ اگرچہ مستقبل کی پیشن گوئی مکمل وثوق کے ساتھ نہیں کی جا سکتی لیکن کافی حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کے میدان میں کیا کیا کارہائے نمایاں ہو سکتے ہیں اور ان کا انسانی زندگی پر کیا اثر ہوگا۔

کمپیوٹر نے تو بیسویں صدی میں تہلکہ ہی مچا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے اطلاعاتی نظام میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ انٹرنیٹ کی ایجاد سے ہر طرح کی اطلاع آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ای۔میل کے ذریعہ کوئی بھی پیام پلک جھپکتے ہی دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں

بھیجا جاسکتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے گھر بیٹھے ہی تجارت کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر کے اسکرین پر کسی بھی اسٹور کے پروڈکٹ یعنی سامان کو دیکھا جاسکتا ہے، اس کی قیمت اور کوالٹی کا اندازہ ہوسکتا ہے اور اپنی پسند کی چیزوں کے خریدنے کا آرڈر دیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ گھروں میں موجود ٹیلی ویژن کے ساتھ انٹرنیٹ کو جوڑنے والے آلات فراہم ہوں جن کے ذریعہ مختلف النوع معلومات فراہم ہوں گی۔ ریموٹ سنسنگ سے زمین، فضاء اور سمندر کے وسائل کا پتہ لگایا جارہا ہے اور اس کی مدد سے ان کے اندر ہونے والے تمام وسائل کی جانکاری حاصل ہوسکے گی۔ جغرافیائی معلومات کے نظام کو ریموٹ سنسنگ سے جوڑ کر زمین میں ہونے والی تبدیلیاں ریکارڈ کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح ترقی کے منصوبوں پر موثر طور پر عمل درآمد ہوسکے گا۔ یعنی کوئی بھی ترقی کا منصوبہ بنایا جائے تو اس کو لاگو ہونے سے پہلے ہی کمپیوٹر کے ذریعے اس کے نتائج کو نقشہ پر دیکھا جاسکتا ہے اور اس طرح ضرورت کے مطابق منصوبہ میں تبدیلی لاکر موثر طور پر عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔

زمینی وسائل کی کمی کو آئندہ سمندری وسائل سے پورا کیا جائے گا۔ سمندروں سے تیل تو حاصل ہو ہی رہا ہے اس کے علاوہ ان سے توانائی حاصل ہوگی اور انسانی خوراک کے لیے کھیتی بھی ممکن ہوگی۔ نئے نئے میٹریل کی ایجادوں سے صنعت کاری میں ایک نیا انقلاب رونما ہوگا۔

اصولی طور پر سائنسی تحقیق کا بنیادی مقصد زندگی کو بہتر بنانا ہے اور اس کا تحفظ کرنا ہے۔ حیاتیاتی تکنالوجی کے میدان میں ایک پراجکٹ ''ہیومن جینوم'' کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس پراجکٹ میں ہر انسانی جین اور ان کے آپسی رشتوں سے متعلق سائنسی معلومات فراہم کرنا ہے۔

انسانی جسم اپنے اندر موجود جین کی ہدایات پر کام کرتا ہے۔ خوشی وغم، غصہ و پیار، حوصلہ و بزدلی، ذہنی اپج، بھوک، پیاس، بڑھاپا ان سب کے لیے انسانی جسم میں الگ الگ جین ہوتی ہیں اور ان کے عمل سے ہی جسم میں یہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ ہر جین کے بارے میں مکمل معلومات ہوجائے تو انسان کے جسم کو پوری طرح قابو میں لایا جاسکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ بڑھاپا کبھی نہ آئے اور انسان کو

دائمی زندگی نصیب ہو جائے۔ اس سلسلے میں اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کے استعمال سے انسانی زندگی میں ایک نیا انقلاب آئے گا۔

سائنس دانوں نے انسانوں میں ایسی جین کا پتہ لگایا ہے جس سے ان کو لمبے عرصے کے لیے سلایا جاسکتا ہے اس دریافت کے ذریعے انسان کے لیے ایسا سفر ممکن ہو سکے گا جس کے طے کرنے میں سالوں کی مدت لگے گی۔ اس سفر کے دوران اس کو لمبی نیند کی دوائی دی جاسکتی ہیں اور اس کو یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ اس کو سفر میں کتنا وقت لگا۔ جس طرح سائنسی افسانوں میں ایک سیارہ سے دوسرے سیارہ کی مسافت پلک جھپکتے ہی طے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی سفر بھی حقیقت بن جائے گا۔ مسافروں اور سٹلائیٹ چلانے والوں کو ایک معینہ مدت تک سونے کی دوائی دے دی جائے گی اور جب وہ سو کر اٹھیں گے تو اپنی منزل کے قریب ہوں گے۔ اس کے علاوہ اس جین کی دریافت سے جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہیوں کی جان بچائی جاسکے۔ اگر زخمی کو وقت پر طبی امداد فراہم نہ ہو تو اس کو نیند کی دوا دے کر سلایا جاسکتا ہے۔ برطانیہ کے سائنس دانوں نے سائبریا کے ہمیسٹر چوہے کی جین کا پتہ لگایا ہے۔ یہ جین ہمیسٹر کو سائبریا کی سردی میں سلا دیتی ہے اور اس عرصہ میں اس کو کچھ کھانے پینے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لیے یہ جین جسم کے اندر کی توانائی کو محفوظ رکھتی ہے۔ اس جین کی تحقیق کا استعمال مستقبل قریب میں کامیابی کے ساتھ انسانی اعضاء کے بدلنے میں ہوگا۔ اس کی کارکردگی کو قابو میں کرنے سے انسانی اعضاء کو اس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے کہ وہ خراب نہ ہوں اور وقت پڑنے پر ان کو ضرورت مند انسانوں کے جسم کے ساتھ آپریشن کے ذریعے لگا دیا جائے۔

جین کی معلومات کی بناء پر ہی تجرباتی طور پر ایک بھیڑ کا کلون تیار کیا گیا ہے یعنی جس شکل وصورت کی بھیڑ ہے بالکل اسی شکل وصورت کے بے شمار بھیڑ پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ اسی اصول کی بناء پر انسان کا کلون بھی تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے وقت میں یہ ممکن ہے

کہ ایک ہی طرح کی شکل وصورت، خصلت، قوت، لمبائی، چوڑائی کے انسان پیدا کیے جاسکیں۔
بالفاظ دیگر ضرورت پڑنے پر فوج میں لڑائی کے لیے فیکٹریوں میں مزدوروں کے لیے دفتروں میں
کام کرنے کے لیے الگ سے انسانی پیداوار ہو۔ مستقبل میں عورتوں کی آزادی اور مرد وعورت کے
درمیان مساوات کے نظریات کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ بچوں کے بیج یعنی ایمبر یو بازار میں خریدنے
کے لیے ملیں جنھیں عورتیں اپنے پیٹ میں چند مہینے رکھ کر پیدا کرسکیں گی۔ یہ ایمبر ایو خواہش کے
مطابق جنس، قد، رنگ اور خصلت کے ہوں گے اور عورتیں جس طرح کا بچہ چاہیں پیدا کرسکیں گی۔ مگر
یہ سب اخلاقی مسائل ہیں۔ یہ معاشرہ کو طے کرنا ہوگا کہ کیا انسانی قدریں ہوں کیونکہ ان قدروں کا
گہرا تعلق انسانی جذبات ومحبت کے رشتوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی وضاحت ہونی
چاہیے کہ کس طرح کی جینیٹک انجینیئر نگ کو فروغ دیا جائے تاکہ انسانی زندگی ایسی تحقیقات سے تباہ
نہ ہو۔ ہر بیماری کا تعلق کسی نہ کسی جین سے ہے۔ ابھی تک بیماریوں کے علاج کے لیے جو دوائیاں
تیار کی گئی ہیں وہ گولی، شربت اور انجکشن کی شکل میں ہیں۔ کچھ دوائیاں ایسی بھی ثابت ہوئی ہیں کہ
ان کے استعمال سے انسانی جسم پر مضر اثرات ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسی بیماریاں بھی ہیں
جن کا اب تک کوئی تسلی بخش علاج نہیں ہوسکا ہے مثلاً کینسر اور شوگر کی بیماریاں۔ دواؤں کے سلسلے
میں جو تحقیقات چل رہی ہیں اور ساتھ ہی جین کی معلومات میں جو اضافہ ہو رہا ہے ان سے یہ ممکن
ہے کہ گائے، بھینس ایسا دودھ دیں جس کے اندر ایسے جین شامل ہوں جو مختلف بیماریوں کو کنٹرول
کرتی ہیں۔ جانوروں کی ایسی نسلیں تیار کی جاسکتی ہیں جن کا ایک گروہ ایسا دودھ دے جس سے شوگر
کی بیماری پر قابو پایا جائے دوسرا گروہ ایسا ہو جس کے دودھ سے سرطان کی بیماری کا علاج ہو اور اسی
طرح ہر بیماری کے لیے ایک طرح کے جانور پیدا کیے جاسکتے ہیں جن کے دودھ سے کسی ایک بیماری
کا علاج ہوسکے۔

بڑھتی ہوئی آبادی، اناج کی کمی اور پانی کی قلت کے پیش نظر سائنٹیفک حل تلاش کیے جارہے

ہیں۔ ٹشو کلچر کی مدد سے اناج اور صنعتی پودوں کی ایسی پود تیار کی جائیں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کھیتی فیکٹریوں میں ہوتا کہ زیادہ پیداوار ہو۔ مکان اس طرح تعمیر ہوں گے کہ وہ گھر کے استعمال کے لیے توانائی سورج کی گرمی سے حاصل کریں اور برسات کے پانی کو بجائے اس کے کہ وہ نالیوں میں بہہ کر ضائع ہو اس کو استعمال کے لیے اکٹھا کیا جائے گا۔

یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اگلی صدی میں کائنات کے دوسرے سیاروں سے ہماری ملاقات کی شروعات ہوگی۔ خلاء میں لامحدود قوت ہے جو انسانوں کو ہر وقت حیرانی میں ڈال سکتی ہے۔ خلائی کامیابیوں کی طرف پیچھے مڑ کر دیکھا جائے تو یہ صاف ظاہر ہے جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے آئندہ اس سے کہیں زیادہ حیران کن ہوگا اور ایسا جس کا ہم خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے۔ مستقبل میں ہم دیکھیں گے کہ انسان اس دنیا سے پرے دوسری دنیا بسائے گا۔ بس ایک مرتبہ انسان اس زمینی دنیا کی کشش سے آزاد ہوا تو اس دنیا اور سیاروں کے درمیان سفر عام ہو جائے گا۔ اکیسویں صدی کے نصف تک یہ ممکن ہے کہ پہلا انسانی بچہ چاند پر پیدا ہو یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب انسان چاند پر اپنی رہائش کے لیے تعمیرات میں مشغول ہو، سیاروں پر کان کنی کا کام شروع ہو گیا ہو اور یہ پروگرام بنانا شروع کر دیا ہو کہ مریخ کو کس طرح انسانوں کے رہنے کے قابل بنایا جائے۔ امریکہ کی خلائی ایجنسی ناسا نے 2015 میں زمین کے مشاہدے کے لیے ایک خلائی نظام قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سمندر، فضا اور زمین کے درمیان جو کیمیائی اور طبعیاتی عوامل ہوتے ہیں وہ زمینی نظام کے تغیر کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے زمینی سیارہ تغیر پذیر ہوتا ہے۔ موسم بدلتے ہیں اور ماحولیات پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ جس طور سے سائنسی تحقیقات جاری ہیں ایسا لگتا ہے کہ اگلی صدی کی دوسری دہائی میں یہ تصویر واضح ہوگی کہ جس زمین پر ہم رہ رہے ہیں انسانی زندگی کس طرح اس کی آب و ہوا پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ مستقبل میں خلائی کھوج ماحولیات کے مطالعہ کے لیے بہت اہم ہے۔ ہبل اسپیس ٹیلسکوپ جو زمین سے 595 کلومیٹر کی دوری پر ہے، بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کی تصویر

فراہم کرتی ہے۔اس ٹیلسکوپ کی مدد سے کائنات کے کیمیائی اور طبعیاتی خصوصیات کا جائزہ بہت آسان ہو گیا ہے۔خلا میں جہاں ایسے حالات ہوں کہ وزن کم ہو جائے اور کشش بھی کم سے کم ہو گئی اقسام کی نئی نئی ایجادات ہوں گی جیسے نئی طرح کی دھاتیں اور میٹریل جو ہلکے پھلکے اور مضبوط ہوں ایسی چیزیں جن کا ماحولیات پر برا اثر نہ ہو۔دراصل خلائی تحقیق کی کنجی خلائی سفر کا ممکن ہونا ہے۔ ایسے خلائی جہاز بنانے کی کوشش جاری ہے۔جن پر لمبا سفر ہو سکے اور خرچ بھی کم آئے۔

سائنسی افسانوں میں اور ناولوں میں جو واقعات اور سائنسی کمالات ہوتے تھے ایسا لگتا ہے کہ وہ ان مصنفین کی ایک طرح پیشن گوئیاں تھیں جواب صحیح ثابت ہو رہی ہیں لیکن سب سے بڑی فکر کی بات یہ ہے کہ جس قدر سائنس اور ٹکنالوجی کے علوم میں ترقی ہو رہی ہے اس قدر سماجی علوم میں ترقی نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے سائنس اور سماجی رشتوں کے تعلق کو سمجھنے میں دقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔سائنس اور سماجی علوم میں توازن کی ضرورت ہے تاکہ انسان سائنس وٹکنالوجی کو بہتر طور پر انسانیت کی فلاح کے لیے بروئے کار لا سکے۔(بشکریہ الفیصل جولائی ۲۰۰۰ء)

☆..........☆..........☆

# مسلم دنیا کی نوادرات لندن میں

لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے بنے ہوئے سمرسیٹ ہاؤس میں حالیہ دنوں اسلامی فن پاروں کی ایک نمائش لگی یہ فن پارے یا تو اللہ کی بندگی کے اظہار کے لیے تخلیق کیے گیے تھے یا پھر ظل الٰہی یا خدا کا سایہ کہلوانے والے بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ نمائش کا نام، ہیون آن ارتھ، آرٹ فورم، اسلامک لینڈر ہے جس کے معنی ہیں جنت ارضی، اسلامی دنیا کا فن، یہاں رکھی ہوئی نوادرات کا تعلق دا سٹیٹ ہرمیج میوزیم سینٹ پیٹرز برگ اور خلیل گلکشن لندن سے ہے، یہ نمائش ۲۲/اگست تک جاری رہی۔

## فن پاروں کی تصاویر

یہاں تقریباً ایک سو تیس ۱۳۲رفن پارے رکھے گیے ہیں جن میں غلاف کعبہ کی اوپری پٹی، خط کوفی میں قرآن کے قدیم نسخے کا ایک ورق، دکن میں سونے کے پانی سے سجایا گیا قرآن، اسلامی ملکوں میں بنائے گیے خوبصورت برتن، دھات کی بنی پرانی اشیاء، ملبوسات اور تصویریں شامل ہیں۔

ان اشیاء کا زمانہ آٹھویں سے انیسویں صدی تک بارہ سو سال پر پھیلا ہوا ہے اور کسی نہ کسی اعتبار سے یہ مسلمانوں کا ورثہ ہیں۔

دوران نمائش اس کی منتظم عائشہ نے بتایا کہ نمائش کو دیکھنے بڑی تعداد میں لوگ آرہے ہیں اب تک آرٹ کے پندرہ ہزار سے زیادہ مداح آئے ہیں، ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی اور میرے خیال میں اس نمائش کی سب سے خاص بات یہاں آنے والے غیر مسلموں کی اسلام میں دل چسپی ہے مثال کے طور پر لوگ میوزیم کی دکان میں اسلام کے بارے میں موجود کتابیں اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دھڑا دھڑ لے رہے ہیں۔

یہاں آرٹ کے عام مداحوں کے علاوہ اس فن کی باریکیوں کو سمجھنے اور سمجھانے والے بھی نظر آئے، مقامی اسکول میں آرٹ کی ایک ٹیچر سارا رکارڈ کا کہنا تھا کہ وہ دوسرے ٹیچرز کے لیے نمائش میں موجود فن پاروں میں استعمال ہونے والی تکنیک پر مبنی ایک کورس ترتیب دے رہی ہیں سارا کا کہنا تھا یہاں مختلف ملکوں اور ادوار سے مختلف اشیاء رکھی گئی ہیں میرے خیال میں یہاں سب کے لیے کچھ نہ کچھ ہے۔

مگر شاید کچھ لوگ سارا کی بات سے اتفاق نہ کریں لندن میں ایک دن گزارنے کے لیے آئے ہوئے روئے کیڈمن کو یہاں آکر خاصی مایوسی ہوئی تھی ان کا کہنا تھا کہ مجھے زیادہ تر چیزیں پھیکی لگیں۔ وہ چمک دمک نظر نہیں آئی جس کی مجھے توقع تھی، شاید یہ فن کا وہ شعبہ ہے جو میرے لیے کشش نہیں رکھتا، میری دل چسپی مغربی آرٹ میں بہت زیادہ ہے میں اسلام کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور میرا خیال تھا کہ یہاں مجھے یہ موقع مل جائے گا۔

نمائش کی منتظم سے میں نے پوچھا کہ مسلم دنیا کی نوادرات کی نمائش کے لیے یہی وقت کیوں چنا گیا عائشہ کہتی ہیں: میرے خیال میں یہ محض اتفاق نہیں کہ یہ نمائش اس وقت ہو رہی ہیں آپ دیکھیں گے کہ دنیا بھر میں اہم عجائب گھر اسلام اور اسلامی دنیا سے متعلق فن پاروں کی نمائش لگا رہے ہیں اور اس کا سبب عالمی صورت حال ہے لوگوں میں اسلام کے بارے میں دل چسپی اور تشویش دونوں ہی بڑھ رہی ہیں اس لیے وہ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔